HATCHING EGG
63
بائبل کی تفسیر
اعمال
و
رومیوں
جلد دہم
Rs.700

مُصنِّفین اَور مُترجمین

اعمال کی تفسیر

مُصنِّف

مس جین میکنالے۔ ایم۔ اے (تھیولاجی)
بائبل کارسپانڈنس سکول۔ چالیس گاؤں۔ مشرقی خاندیش
ڈسٹرکٹ

رُومیوں کی تفسیر

پادری پی۔ ای۔ برکھارٹ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
بیڈل مشن۔ کوٹاگری۔ نیلگری

مُترجم

ڈبلیو۔ ڈی۔ چوہدری۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

طابع ——————— ایچ۔ بخت

مطبع ——————— طفیل آرٹ پرنٹرز

تعداد ——————— ایک ہزار

باراوّل ——————— ۱۹۶۴ء

باردوم ——————— ۱۹۷۶ء

قیمت ——————— ۴ روپے

فہرستِ مضامین اعمال

پیش لفظ

مسیحی اشاعت خانہ کی یہ خواہش رہی ہے کہ بائبل مُقدّس کی ایک مختصر اور سادہ سی تفسیر تیار کی جائے جو بائبل مُقدّس کی ہر کتاب کی بنیادی تشریح پیش کرے۔ ایک ایسی تفسیر جو عام پاکستانی مسیحیوں کو بائبل مُقدّس کے سمجھنے میں مدد دے۔

چنانچہ اِس تفسیر کو چودہ ۱۴ جلدوں میں تیار کرنے کی تجویز ہوئی ہے۔ سات جلدیں پُرانے عہدنامہ کو پیش کریں گی اور سات نئے عہدنامہ کو۔ جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا تو یہ پہلا موقع ہوگا کہ بائبل مُقدّس کی ایک مسلسل اور مکمل تفسیر اُردو زبان میں قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

چُونکہ ہمارا مقصد ایک مختصر تفسیر پیش کرنا ہے اِس لئے صفحات کی ایک خاص تعداد ہر ایک حصّہ کو دی گئی ہے۔ لہٰذا اِتنی گنجائش نہیں ہے کہ ہر ایک آیت کی الگ الگ اور سلسلہ وار تفسیر پیش کی جاتی۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہر ایک آیت کی تفصیلی تشریح کی بجائے ہر کتاب کی رُوحانی تعلیم

کو پیش کیا جائے، خصوصاً وہ جس کا تعلق پاکستان میں روزمرّہ کی زندگی سے ہے۔

بائبل مُقدّس کی ہر کتاب کی تفسیر کے شروع میں دیباچہ میں اُس کتاب کے مُصنّف کا نام، تاریخ تحریر و مقام، کتاب کا عام مقصد اور الٰہی مکاشفہ کی ساری ترتیب میں اس کا درجہ دکھایا گیا ہے۔ متنازعہ تعلیم یا وہ باتیں جن پر مختلف فرقے زیادہ زور دیتے ہیں اُنہیں بیان کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور نہ ہی نکتہ چینی پیدا کرنے والے مسئلے چھیڑے گئے ہیں۔

ہماری دُعا ہے کہ یہ تفسیر پاکستان میں خُداوند یسوؔع مسیح کے جلال کو ظاہر کرنے کا ایک وسیلہ بنے۔

ناشرین

And this is life eternal, that they might know you the only true God, and Jesus Christ, whom you have sent. (John 17:3)
Dear Brothers and Sisters in Christ,
We greet you in the name of our redeemer Lord Jesus Christ,
The religious situation in Pakistan is known to the world,
May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.
Yours in Christ,
Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com

اعمال کی کتاب

کی

تفسیر

رسولی زمانے کے حالات اور
پولُس رسُول کے خطوط کی سلسلہ وار تواریخ

سنہ ۳۰ء	پنتکُست :- اعمال باب ۲۔
سنہ ۳۲ء	ساؤل کی تبدیلی ۔
سنہ ۴۴ء	یوحنا کے بھائی یعقوب کی شہادت ۔
سنہ ۴۸ء	پہلا تبلیغی سفر ۔
سنہ ۴۹ء	گلتیوں کے نام خط جوکہ غالباً پہلے سفر کے بعد شام کے ملک میں انطاکیہ سے لکھا گیا۔
سنہ ۵۰ء	یروشلیم میں مجلس مشاورت اعمال باب ۱۵۔
سنہ ۵۰-۵۲ء	دوسرا تبلیغی سفر ۔
سنہ ۵۰ء کا آخر یا سنہ ۵۱ء کا آغاز	کرنتھس سے تھسلنیکیوں کے نام پہلا اور دوسرا خط لکھا گیا۔ (کرنتھس سنہ ۵۱ء کا موسم خزاں تا سنہ ۵۲ء کا موسم بہار)۔
سنہ ۵۲-۵۶ء	تیسرا تبلیغی سفر (کرنتھس افسس موسم خزاں سنہ ۵۲ء سے سنہ ۵۵ء موسم بہار)۔
سنہ ۵۵ء	افسس سے کرنتھیوں کا پہلا خط لکھا گیا۔

سنہ ۵۶ء	کرنتھیوں کا دوسرا خط جو مکدنیہ سے لکھا گیا۔
سنہ ۵۷ء	رومیوں کا خط کرنتھس سے لکھا گیا۔
سنہ ۵۷-۵۹ء	قیصر کی قید۔
سنہ ۶۰ء (آغاز)	روم میں آمد
سنہ ۶۱ء	روم سے افسیوں، کلسیوں اور فلیمون کو خطوط لکھے گئے۔
سنہ ۶۲ء	فلپیوں کو خط لکھا گیا۔
سنہ ۶۲ء	اعمال کی کتاب کا اختتام۔
	پولس کی پہلی رومی قید سے رہائی۔
سنہ ۶۲ء	خداوند کے بھائی یعقوب کی شہادت۔
	پولس ہسپانیہ کا سفر اختیار کرتا ہے (رومیوں ۱۵-۲۴)۔
سنہ ۶۴ء	مکدنیہ میں ا۔تیمتھیس اور ططس کا خط لکھا گیا۔
سنہ ۶۴ء	نیرو بادشاہ کا روم کو جلانا اور مسیحیوں پر ظلم و تشدد۔
سنہ ۶۶-۶۷ء	دوسری رومی قید۔
	روم سے تیمتھیس کے نام دوسرا خط لکھا گیا۔
سنہ ۶۷تا۶۸ء	پولس رسول کی روم میں شہادت اور شاید پطرس کی بھی۔
سنہ ۶۹-۷۰ء	یہودیوں کی لڑائی اور یروشلیم اور ہیکل کی تباہی۔

دیباچہ

مصنف:۔ اگرچہ اعمال کی کتاب کا مصنف اپنا نام ظاہر نہیں کرتا، تاہم "ہم" اور "ہمیں" کے ضمیروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پولس رسول کے کچھ سفروں میں اُس کا ہمسفر رہا تھا (اعمال ۱۶: ۱۰-۱۷؛ ۲۰: ۶-۱۶؛ ۲۱؛ ۲۷، ۲۸)۔ اگر پولس رسول کے تمام ساتھیوں کا جن کا اُس کے خطوط میں ذکر ہے مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا آیات کا لکھنے والا لُوقا ہی ہو سکتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ لُوقا کی انجیل اور اعمال کی کتاب کا مصنف ایک ہی شخص ہے۔ اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:۔

دونوں کتابوں کے تمہیدی جملے ایک جیسے ہیں، دونوں کا طرزِ تحریر یکساں ہے، دونوں میں تقریباً پچاس الفاظ ایسے ہیں جو نئے عہدنامے میں اور کہیں نہیں پائے جاتے، اور دونوں کتابوں میں طبی اصطلاحات پائی جاتی ہیں اور یہ صرف اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ان کا مصنف کوئی طبیب ہو (ملاحظہ کیجئے کلسیوں ۴: ۱۴)۔

قدیم روایات کے مطابق ان دونوں کتابوں کا مصنف لُوقا طبیب (ڈاکٹر)

ایک یونانی تھا۔ اُس نے اپنی تصانیف کا مواد پولُس سے اور اس کے دوستوں سے جو اُس کے ہمسفر تھے فراہم کیا۔ مثلاً قیصریہ میں فلپّس سے (اعمال ۲۱:۸) اور روم میں مرقس سے (کلسیوں ۴:۱۰ ؛ فلیمون ۲۳:۲۴)۔

تاریخ تصنیف:-

اعمال کی کتاب کا اختتام پولُس کی گواہی سے جبکہ وہ روم میں قید تھا فاتحانہ انداز سے ہوتا ہے۔ اس میں پولُس کی آخری قید اور موت کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی اُن مظالم کا تذکرہ ہے جو نیرو بادشاہ نے ۶۴ء میں روم کی آتش زدگی کے بعد مسیحیوں پر ڈھائے تھے۔ یروشلیم کی تباہی جو ۷۰ء میں واقع ہوئی۔ اُس کے متعلق بھی خاموشی ہی خاموشی ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ اگر یہ اہم واقعات اِس کتاب کی تصنیف سے پیشتر وقوع میں آتے تو لوقا ان کا ضرور ذکر کرتا۔ لہٰذا اس کا سنِ تصنیف ۶۴ء سے پہلے تھا۔ اور غالباً ان آخری واقعات کے بعد جو اعمال میں مندرج ہیں اور جو قریباً ۶۱ء میں وقوع میں آئے۔

مقصد:-

اعمال کی کتاب کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کلیسیائیں کیسے وجود میں آئیں، کس طرح سے نشوونما پائی اور کیسے پھولیں پھلیں۔ یہ کتاب کلیسیا کی پیدائش کے متعلق بتاتی ہے اور یہ کہ کلیسیا نے کیسے وسعت حاصل کی، غیر اقوام کو اپنے اندر کیسے جذب کر لیا اور رومی سلطنت کے طول وعرض میں گواہی دینے کے لیے اہم مقامات پر بشارت کے مرکز کیسے قائم کئے گئے۔

ان معنوں میں اعمال کی کتاب کا مرکزی خیال یا مضمون "مسیح کی گواہی دینے

والی کلیسیا" ہے۔ لفظ "گواہی" اس کتاب میں کم از کم بارہ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ لفظ اس کتاب کے کلیدی الفاظ میں گنا جا سکتا ہے۔ شاگرد مسیح اور اس کی موت اور قیامت کی بابت گواہی دیتے ہیں اور یہ گواہی رُوح القدس کے بل بوتے پر دی جاتی ہے۔ ہم اس کتاب میں بہ نسبت دیگر کتابوں کے رُوح القدس کے عجیب عجیب کام دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عالم اعمال کی کتاب کو "رُوح القدس کے اعمال" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اعمال کی کتاب میں رُوح القدس کا ذکر ستر سے زیادہ مرتبہ آتا ہے۔ پہلے باب کی آٹھویں آیت کلیدی آیت ہے، کیونکہ یہ رُوح القدس کی قوت سے مسیح کی گواہی کے عظیم موضوع کو ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے۔ اور ساتھ ہی جن جغرافیائی منزلوں سے اس گواہی کو گزرنا ہے، وہ بھی بتا دیتی ہے۔ یہاں خداوند مسیح یسوع فرماتے ہیں:۔

"جب رُوح القدس تم پر نازل ہوگا تو تم قوت پاؤ گے اور یروشلیم اور تمام یہودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہو گے۔"

کلام کے دوسرے حصوں سے تعلق:۔

اعمال کی کتاب ہمیں سرگرم اور عملی زندگی کے ماحول میں لے آتی ہے۔ اس زندگی کا سرگزشت شاگردوں کے کام اور کلیسیا کی حیات ہے۔ اناجیل میں ہم اس کام کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کی ابتدا مسیح نے کی تھی، اور اعمال کی کتاب میں اُس کام کا جو اُس نے رُوح القدس کی معرفت شاگردوں کے ذریعے جاری رکھا۔ اور مکاشفہ میں اس کام کی تکمیل کا جبکہ مسیح اپنی بادشاہت خدا باپ کے حوالے کر دیتا ہے۔ نئے عہد نامے میں اعمال کی کتاب کی وہی حیثیت ہے جو

یشوؔع کو پرانے عہد نامے میں حاصل تھی۔ یہ کہ خدا کے لوگوں کو موعودہ ملک میں داخل ہوتے اور ایک بادشاہی تعمیر کرتے دکھاتی ہے۔

And this is life eternal, that they might know you the only true God, and Jesus Christ, whom you have sent. (John 17:3)

Dear Brothers and Sisters in Christ,

We greet you in the name of our redeemer Lord Jesus Christ,

The religious situation in Pakistan is known to the world, It is the dire need of the day to provide religious plus academic education to all and especially the young generation to face future challenges. We are by God's good grace and providence, in possession of old Urdu Christian literature written by our forefathers and scholars in faith, who were giants in their respective fields and piety, who sought to strengthen the Christian Indo-Pak Church in their respective day through the means of writing theological and apologetical treatises on different religious topics from the viewpoint of Christianity,

We also have our book list of these old books from which you can choose for yourself which book you are looking forward to read.. May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com

کتاب کا خاکہ

۱۔ یروشلیم میں گواہی ۱:۱-۸:۱

ا۔ چالیس دن اور بعد ۱:۱-۲۶

(۱) صعود یعنی آسمان پر اٹھایا جانا۔ ۱:۱-۱۱

(۲) یروشلیم میں انتظار۔ ۱:۱۲-۲۶

ب۔ پنتکست کا دن۔ ۲:۱-۴۷

(۱) روح القدس کا نزول ۲:۱-۱۳

(۲) پطرس کا پہلا وعظ ۲:۱۴-۴۱

(۳) نو مریدوں کی زندگی ۲:۴۲-۴۷

ج۔ خوبصورت دروازے پر معجزہ اور اس کے نتائج ۳:۱-۴:۳۱

(۱) لنگڑے کو شفا دینا ۳:۱-۱۱

(۲) پطرس کا وعظ ۳:۱۲-۲۶

(۳) عدالتِ عالیہ (یہودیوں کی مذہبی عدالت) کے سامنے ۴:۱۱-۲۲

(۴) کلیسیا کی دعا ۴:۲۳-۳۱

د۔ مشترکہ مال و متاع اور ابتدائی نظام ۴:۳۲-۵:۱۱

ہ۔ مزید ظلم و ستم ۵:۱۲-۴۲

و۔ ستفنُس کی شہادت ۶ : ۱-۸ : ۱

(۱) سات شخصوں کی تعیناتی ۶ : ۱-۷

(۲) الزامات اور ستفنُس کی گرفتاری ۶ : ۸-۱۵

(۳) ستفنُس کی صفائی اور شہادت ۷ : ۱-۸ : ۱

۲۔ یہودیہ اور سامریہ میں گواہی ۸ : ۱-۱۲ و ۲۵

ا۔ ظلم و تشدد گواہوں کو بکھیر دیتا ہے ۸ : ۱-۴

ب۔ فلپّس کی خدمت ۸ : ۵-۴۰

(۱) فلپّس اور سامری ۸ : ۵-۲۵

(۲) فلپّس اور حبشی خوجہ ۸ : ۲۶-۴۰

ج۔ ساؤل کی تبدیلی ۹ : ۱-۳۱

د۔ غیر یہودیوں (یعنی رومیوں اور یونانیوں) کے لیے دروازہ کھُل گیا۔

۹ : ۳۲-۱۱ : ۳۰

(۱) پطرس کے کام ۹ : ۳۲-۱۱ : ۱۸

(ک) کرنیلیُس اور غیر یہودیوں پر رُوح القدس کا نزول ۱۰ : ۱-۴۸

(ب) اینیاس کی شفا اور تبیتا کو زندہ کرنا ۹ : ۳۲-۴۳

(ج) شاگرد پطرس کے کام کی تائید کرتے ہیں ۱۱ : ۱-۱۸

(۲) غیر یہودیوں کی پہلی کلیسیا ۱۱ : ۱۹-۳۰

ھ۔ ہیرودیس اگرپہ کا ظلم و ستم ۱۲ : ۱-۲۵

۳۔ زمین کی انتہا تک گواہی ۱۳ : ۱-۲۸ : ۳۱

ا۔ پہلا تبلیغی سفر ابواب ۱۳؛ ۱۴

(۱) پولس کپرس میں ۱۳: ۱-۱۲

(۲) پسدیہ کے انطاکیہ میں ۱۳: ۱۳-۵۲

(۳) پولس اکنیم، لسترہ اور دربے میں۔ باب ۱۴

ب۔ یروشلیم میں مجلس۔ باب ۱۵ (۵۰ء)۔

ج۔ دوسرا تبلیغی سفر ۱۵: ۳۶ - ۱۸: ۲۲

(۱) دو گروہ نکل پڑے۔ ۱۵: ۳۶-۱۶: ۵

(۲) پولس فلپی میں ۱۶: ۶-۴۰

(۳) تھسلنیکے اور بیریہ میں ۱۷: ۱-۱۵

(۴) پولس اتھینے میں ۱۷: ۱۶-۳۴

(۵) پولس کرنتھس میں اور انطاکیہ کو واپسی ۱۸: ۱-۲۲

د۔ پولس کا تیسرا تبلیغی سفر ۱۸: ۲۳-۲۱: ۱۶

(۱) اپلوس اور یوحنا کا بپتسمہ لینے والے کے گرد ۱۸: ۲۳-۱۹: ۷

(۲) افسس میں پولس کی خدمت ۱۹: ۸-۴۱

(۳) پولس کا یونان کو جانا ۲۰: ۱-۱۶

(۴) افسس کے بزرگوں کو الوداع ۲۰: ۱۷-۳۸

(۵) میلیتس سے قیصریہ کو ۲۱: ۱-۱۶

ہ۔ پولس کی گرفتاری اور یروشلیم میں پیشی ۲۱: ۱۷-۲۳: ۳۰

(۱) کلیسیا سے ملاقات ۲۱: ۱۷-۲۶

(۲) زیر حراست ۲۱ : ۲۷-۳۶

(۳) یہودیوں کے سامنے صفائی ۲۱ : ۳۷-۲۲ : ۲۹

(۴) عدالت عالیہ (یہودی مذہبی عدالت) کے سامنے جواب طلبی ۲۲ : ۳۰-۲۳ : ۱۱

(۵) پولوس کا قیصریہ کو بھیجا جانا ۲۳ : ۱۲-۳۵

و۔ قیصریہ میں قید ۲۴ : ۱-۲۶ : ۳۲

(۱) فیلکس کے روبرو پیشی۔ باب ۲۴

(۲) فیستس کے سامنے پیشی ۲۵ : ۱-۱۲

(۳) اگرپا اور برنیکے کے سامنے پیشی ۲۵ : ۱۳-۲۶ : ۳۲

ز۔ روم کی طرف سفر۔ ابواب ۲۷-۲۸

(۱) سمندری سفر اور جہاز کی تباہی۔ باب ۲۷

(۲) ملتے میں موسم سرما ۲۸ : ۱-۱۰

(۳) روم کی جانب ۲۸ : ۱۱-۳۱

May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,
Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com

تفسیر

۱۔ یروشلیم میں گواہی ۱:۱-۸:۱

۱۔ چالیس دن اور بعد ۱:۱-۲۶

(۱) صعود یعنی آسمان پر اٹھایا جانا ۱:۱-۱۱

تمہیدی الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اعمال کی کتاب لوقا کی انجیل ک
کتاب ہے، جس کو وہ "پہلا رسالہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ دونو
تھیوفلس کو خطاب کیا گیا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رومی حاکم
وند پر ایمان لے آیا تھا۔ تھیوفلس پر مزید روشنی کے لیے لوقا کی تفسیر
دیکھئے)۔

پہلی سے گیارہ آیات تعارفی ہیں اور اُس پیغام کا خلاصہ ہیں
ہیں پھیلانا تھا۔ یعنی مسیح کی موت اور قیامت، اس کا آسمان پر ا
اُس کے احکام، روح القدس کا وعدہ، آمدِ ثانی اور اُس کی بادشاہ
شاگردوں نے مسیح کی قیامت یعنی مُردوں میں سے جی اٹھنے پر زو
ان آیات میں ان کے اعتقاد کی بنیاد پیش کی گئی ہے، یعنی چالیس

اُس کا گاہے بہ گاہے ظاہر ہونا شاگرد ایک اَن ہونی بات کو ماننے پر مجبور ہو گئے، کیونکہ مسیح کے مصلوب ہونے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد شاگردوں نے مسیح کو کئی بار دیکھا، اُسے چھُوا، اُس کے ساتھ بات چیت کی اور اس کے ساتھ کھایا پیا۔

"کیا تو اِسی وقت اسرائیل کو بادشاہی پھر عطا کرے گا"

اگرچہ مسیح کی موت اور جی اٹھنے کے سبب سے بادشاہی کے بارے میں شاگردوں کے نظریے میں ترمیم ہو چکی تھی تاہم اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں تاحال شکوک باقی تھے۔ مسیح نے انہیں نہ ہی جھڑکا اور نہ ہی یہ کہا کہ بادشاہی اس روپ میں نہ ہوگی۔ یسوع کے الفاظ کہ "ان وقتوں اور میعادوں کا جاننا..... تمہارا کام نہیں" ظاہر کرتے ہیں کہ بادشاہی تو وجود میں آئے گی لیکن ابھی نہیں۔ اس گفتگو اور فرشتے کے وعدے کی بنا پر (آیت ۱۱) معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد اس بات کو ماننے لگ گئے تھے کہ مسیح کے دوبارہ آنے پر بادشاہی قائم ہو جائے گی (مقابلہ کیجئے متی ۲۱:۲)۔ لہٰذا مسیح کے واپس آنے تک جو کام شاگردوں کے سپرد ہے وہ گواہی دینا ہے۔ جب مسیحی یہ دُعا کرتے ہیں کہ "تیری بادشاہی آئے" تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ دنیا مسیح کو جانے کیونکہ بادشاہی کے قائم ہونے سے قبل انجیل کی منادی تمام دُنیا میں کی جائے گی (متی ۱۴:۲۴)۔

اعمال کی کتاب کا مجمل ساخاکہ اور کلیسیا کی غرض و غایت کا بیان پہلے باب کی آٹھویں آیت میں پایا جاتا ہے۔ اس آیت کے دو اہم جُزیہ ہیں:۔

(۱) قوت پانے کے لیے رُوح القدس کا وعدہ (شاگردوں کو رُوح القدس حاصل کرنے کے لیے انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جو خدمت رُوح القدس کی طاقت سے نہیں کی جاتی وہ لاحاصل ہے)۔

(۲) گواہ ہونے کا حکم ایک مسیحی اس لیے زندہ ہے کہ اپنے خُداوند کی گواہی دے۔ پہلے باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجیل کی بشارت پہلے یرُوشلیم میں کی جائے گی۔ پھر یہودیہ کے گرد و نواح اور سامریہ کے قرب و جوار میں اور آخر میں رُوم کے دُور دراز بڑے شہر میں۔ ندا کا مقصد ہے کہ کلیسیا اور ہر ایک مسیحی انجیل کی منادی کرے۔ کسی مسیحی کا خواہ کوئی پیشہ ہو لیکن اُسے بشارت کے کام میں حصّہ لینا چاہیئے۔ اس مقدس کام کے لیے اپنا روپیہ پیسہ دینا اور اس کے لیے دُعا کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی مسیحی ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے مسیحی فرض میں کوتاہی کر رہا ہے۔

وُہ اُوپر اُٹھایا گیا:۔

شاگردوں نے بچشم خود دیکھا کہ وُہ اوپر اٹھایا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ اُن کی توجہ تو کسی اور جانب تھی اور وہ غائب ہو گیا۔ مسیح کا آسمان پر اٹھایا جانا ایک تاریخی حقیقت ہے یہ کوئی من گھڑت کہانی نہیں۔

(۲) یرُوشلیم میں انتظار ۱:۱۲-۲۶

شاگرد زیتون کے پہاڑ سے جو کہ یرُوشلیم سے قریباً چھ فرلانگ ہے، ہوتے اگر یسوع نے انہیں یرُوشلیم میں ٹھہرنے کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ گلیل کو اپنے

بھاگ جاتے، کیونکہ اس جگہ انہیں خطرہ گھیرے ہوتے تھا۔ لیکن ساتھ
بگہ تھی جہاں کافی اثر و رسوخ پیدا کیا جا سکتا تھا۔ مسیح کے گواہوں کو
گہ نہیں ڈھونڈنی چاہیئے بلکہ اس جگہ کا انتخاب کرنا چاہیئے جو مسیح
رکی ہو۔

۔ان کا خداوند اُن کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اس لیے اُن پر
ے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ لہٰذا وہ وعدہ کیئے ہوئے اطمینان دینے والے
غفار تھے (دیکھیے یوحنا ۱۴: ۱۶ - ۱۸)۔ مریم دوسروں کے ساتھ دُعا
اور اُسے شاگردوں پر فضیلت نہیں دی گئی۔ یہ آخری بار ہے کہ نئے
میں مریم کا تذکرہ آتا ہے۔ رومن کیتھولک جو مریم کو اتنا اونچا مرتبہ
، بائبل میں اس کی کوئی بنیاد نہیں پائی جاتی۔ یسوع کے بھائی اب
کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں (ملاحظہ کیجیے متی ۱۳: ۵۵ ؛
۱۵)۔

، وہ دُعا میں لگے ہوئے تھے تو شاگردوں کو صاف پتہ لگ
، خدمت کیسی ہوگی۔ تب پطرس کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہمیں اس جگہ کو
ے لیے جو یہوداہ اسکریوتی نے خالی کی ہے ایک ایسا آدمی مقرر کرنا
مسیح کی قیامت کی گواہی دینے کے قابل ہو۔ بے وفا یہوداہ پر پطرس
۱ اور ۱۰۹: ۸ چسپاں کرتا ہے۔ شاید زبور نویس یہ آیات اپنے زمانہ
حیتفل کے بارے میں استعمال کرتا ہے۔ پرانے عہد نامے کی بیشتر
ں میں سے یہ ایک مثال ہے جو کہ قریب و بعید کے ہر دو واقعات سے

تعلق رکھتی ہے۔ یہوداہ کا سر کے بل گر پڑنا متی ۲۷: ۵ میں دیئے ہوئے بیان میں
اضافہ ہے تضاد نہیں۔ مسیحی کلیسیا میں ابتدا ہی سے جمہوریت کار فرما تھی اس لیے
ایک سو بیس ایمانداروں نے بارھویں شاگرد کا انتخاب کیا۔ انہوں نے یوستس اور متیاہ
کو چنا۔ وہ دونوں اس انتخاب کے اہل تھے کیونکہ وہ دونوں مسیح کی خدمت کے شروع سے
آسمان پر اُٹھائے جانے تک اس کے ساتھ رہے تھے۔ تب انہوں نے دُعا کی کہ
خداوند اپنے انتخاب کا اظہار کرے۔ پھر انہوں نے قرعہ ڈالا۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں
کہ جمہوریت الٰہی حکومت کے تابع ہے اور یہی خدا کے لوگوں کا نصب العین ہونا چاہیئے۔
قرعہ اندازی اہلِ یہود میں ایک مقبول رواج تھا۔ (ملاحظہ کیجیے احبار ۱۶: ۸ ؛
امثال ۱۶: ۳۳)۔ یاد رہے کہ شاگردوں نے اس پر صرف اُس وقت عمل کیا جب
خداوند مسیح ان سے علیحدہ ہو چکے تھے اور رُوح القدس تا حال نازل نہ ہوا تھا۔

"رسول" کی اصطلاح کا تصور عام طور پر بارہ رسولوں اور ساؤل تک ہی محدود
رہتا ہے البتہ نئے عہد نامے میں اس کے معانی نہایت ہی وسیع ہیں۔ نئے عہد نامے
میں "رسول" کا مطلب ہے "بھیجا ہُوا" اور ابتدائی کلیسیا میں ان سب کے لیے استعمال
ہُوا ہے۔ جو بشارت کے لیے بھیجے گئے۔ لہٰذا برنباس کو رسول کہا گیا ہے۔ (اعمال
۱۴: ۱۴) اسی طرح اندرنیکس اور یونیاس (رومیوں ۱۶: ۷) اپلوس (اکرنتھیوں ۴:
۶، ۹)، سلوانس اور تیمتھیس (اتھسلنیکیوں ۱: ۱، ۲: ۶) اپفردتس (فلپیوں ۲: ۲۵)،
کچھ گمنام بھائی (۲۔ کرنتھیوں ۸: ۲۳) بلکہ "جھوٹے رسول" کا بھی ذکر ہے۔ اس
سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ چھوٹے سے مخصوص گروہ کے لیے محدود نہ تھا۔

ب۔ پنتکُست کا دن:۔

(۱) رُوحُ القُدس کا نزول ۲: ۱-۳

پنتکُست یہودیوں کا فصل کا تہوار تھا۔ یہ عیدِ فسح کے پچاسویں دن پڑتا تھا (احبار ۲۳: ۱۵؛ استثنا ۱۶: ۹)۔ یہودیوں کے تمام تہواروں میں سے یہ تہوار نہایت مقبول تھا اور اس روز دور دراز ممالک کے زائرین کے باعث شہر میں خوب گہما گہمی ہوتی تھی۔ ایک مفسر نے کہا ہے "مسیحی کلیسیا میں بے شمار نو مریدوں کے پہلی دفعہ شامل ہونے کا اس سے بہترین اور موزوں موقع اور نہیں ہو سکتا تھا۔ مشابہت کے لحاظ سے پنتکُست کا دن ختم نہیں ہوا۔ کیونکہ اسی طاقت، اور اسی پیغام کے وسیلے سے آج تک روحیں خدا کے کھیتے میں جمع ہو رہی ہیں"۔ کلیسیا کا یہ تاریخی پنتکُست غالباً ۳۰ء میں ہوا ہوگا۔

جب رُوحُ القُدس نازل ہوا تو شاگرد اکٹھے دعا میں لگے ہوئے تھے۔ شاید وہ بالاخانے میں ہوں گے جہاں کہ ابتدا میں تھا اکٹھے ہوئے تھے۔ جب رُوحُ القُدس ان پر نازل ہوا تو انہیں ایسی آواز آئی جیسے زور کی آندھی کا سناٹا ہوتا ہے۔ آندھی کے بغیر آواز رُوح کی نادیدہ زبردست طاقت کی علامت تھی۔ اور آگ کے شعلے کی سی ... زبانیں جو "ان میں سے ہر ایک پر آ ٹھہریں" اس کی گرمی اور جوش کو ظاہر کرتی ہیں جس سے انہوں نے گواہی دینی تھی۔ اور ہر ایک پر الگ ہونا اس بات کی بھی علامت ہے کہ انجیل کی منادی تمام دنیا میں کی جائے گی۔ (متی ۳: ۱۱؛ اعمال ۱: ۴-۸) "وہ سب رُوحُ القُدس سے بھر گئے" تمام شاگردوں

کو رُوحُ القُدس پہلے ہی مل چکا تھا (یوحنا ۲۰: ۲۲)۔ تاکہ وہ مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پنتکُست کے درمیان کے وقفے میں یتیم اور بے یار و مددگار نہ رہ جائیں، لیکن پنتکُست کے دن وہ کُلی طور پر رُوح کے تابع ہو گئے۔ ملاحظہ کیجئے کہ یہ نعمت تمام کے تمام کو ملی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ برکت کلیسیا کے ہر ایک فرد کے لیے ہے۔

اگرچہ ہم عام طور پر یہی کہتے ہیں کہ رُوحُ القُدس پنتکُست کے دن نازل ہوا۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ دنیا میں اس کا کام پہلے سے جاری تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ پنتکُست کے دن رُوحُ القُدس ایک نئے طریقے سے نازل ہوا کہ کلیسیا کی تعمیر کرے، معموری عطا کرے اور قوت بخشے۔ رُوحُ القُدس کا خدا کے لوگوں کے ساتھ رشتہ، مسیح کے آنے سے پہلے اور کلیسیائی دور میں مسیح کے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے (پرانا عہد نامہ) اور وہ تمہارے اندر ہوگا" (نیا عہد نامہ) (یوحنا ۱۴: ۱۷)۔

پرانے عہد نامے کے زمانے میں رُوحُ القُدس بعض انسانوں پر جا بجا نازل ہوا۔ یہ ضروری نہ تھا کہ وہ اس کے نزول کے لیے کوئی شرط پوری کرتے۔ لیکن مسیح کی موت اور قیامت کے بعد رُوحُ القُدس ہر ایک ایماندار میں سکونت کرتا ہے۔ پہلے تو پاک رُوح اُسے اس کے گناہوں کے باعث قصوروار ٹھہراتا ہے (یوحنا ۱۶: ۸) پھر وہ پاک رُوح کے وسیلہ سے نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے (یوحنا ۳: ۶) مسیح کے بدن میں شامل

ہونے کے لیے بپتسمہ پاتا ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۲: ۱۳) اور پھر پاک روح اُس پر مہر لگا دیتا ہے (افسیوں ۱: ۱۳؛ ۴: ۳۰)۔ روح القدس کے اس بنیادی تجربے کے بعد جس کے بغیر کوئی خدا کا فرزند بن نہیں سکتا ایک ایماندار روح القدس سے بار بار معمور ہوتا رہتا ہے۔ (اعمال ۴: ۲۹-۳۱؛ افسیوں ۵: ۱۸)۔ ایک ایماندار کا فرض ہے اور حق بھی کہ وہ روح القدس سے معمور ہو کیونکہ اسی معموری سے وہ پاک اور موثر زندگی بسر کرنے اور گواہی دینے کی قوت حاصل کرتا ہے۔ اعمال ۴: ۳۱ سے ظاہر ہے روح کے قوت سے نازل ہونے اور انجیل کی گواہی دینے میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

روح القدس میں معمور ہو کر شاگرد "غیر زبانیں بولنے لگے"۔ وہ مروّجہ غیر ملکی زبانیں تھیں جو کہ شاگردوں نے اس سے پیشتر کبھی نہ سیکھی تھیں۔ غیر زبانیں بولنا جو کہ ایک معجزانہ بخشش تھی۔ رسولی زمانے کی خاصیت تھی۔ اگرچہ خدا کی طاقت ہمیشہ یکساں ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ سب زمانوں میں معجزات ایک جیسے وقوع میں نہیں آئے۔ بائبل مقدس میں سب سے زیادہ معجزات موسیٰ اور یشوع کی خدمت کے دوران میں ہوئے یعنی شریعت دینے کے وقت اور کنعان کی فتح کے وقت، پھر ایلیاہ اور الیشع کے زمانے میں (جو کہ نبیوں کے پیشرو تھے) اور بعد ازاں مسیح اور شاگردوں کے زمانے میں جو کہ نفضل سے روشناس کرانے کا دور تھا۔ معجزوں کا سب سے بڑا مقصد معجزے کرنے والوں کے اختیار و اقتدار کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا پیغام لانے والے ہوتے ہیں۔ (دیکھئے متی ۹: ۲-۶؛ ۱۱: ۲-۶؛ یوحنا ۳: ۲؛

۵: ۳۶)۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر معجزات کسی نئے دور کے آغاز میں رونما ہوتے ہیں جبکہ خدائے قادر اپنی مخلوق کو کوئی نئی بات بتانے لگے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسولی زمانے کے آخر پر اتنے معجزے واقع نہ ہوئے جتنے کہ شروع شروع میں ہوتے تھے۔

(۳) پطرس کا پہلا وعظ ۲: ۱۴-۴۱

یہ عجیب و غریب کلام چہار اطراف پھیلنے لگا اور ایک بہت بڑی بھیڑ شاگردوں کے گرد جمع ہو گئی۔ لوگ ان ادنےٰ گلیلیوں کے لبوں سے خدا کی حمد و ثنا کے بول اپنی زبان میں سُنکر ششدر رہ گئے بعضوں نے اس واقعہ کی ترجمانی یہ کہہ کر کر دی کہ شاگرد شراب کے نشے میں ہیں۔

پھر پطرس اٹھ کھڑا ہوا اور بھیڑ کو خوشخبری دینے لگا۔ اس کے وعظ کے شروع میں تین دلائل تھیں جو کہ چھتیسویں[۳۶] آیت میں پائی جاتی ہیں۔ پطرس نشے کی تہمت کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ ابھی تو صبح کے صرف ۹ ہی بجے ہیں لہذا شراب پینے کا وقت نہ تھا اور جہاں تک زبانیں بولنے کا تعلق تھا پطرس بتاتا ہے کہ یہ یوئیل نبی کی کتاب ۲: ۲۸-۳۲ کی تکمیل ہے۔ اس پیش گوئی کا مرکزی یہ الفاظ ہیں "میں .... اپنی روح نازل کروں گا"۔ پطرس کہتا ہے "یہ ہے جو کچھ ہم کو ہوا ہے اور جو زبانیں تم سنتے ہو یہی اس کا سبب ہے"۔ روح القدس کا یہ نزول پرانے عہد نامے کے تصور سے بہت اور کبھی کبھار نزول سے مختلف ہے۔ انیس[۱۹] اور بیس[۲۰] آیات میں

بیان کردہ عجوبات نے سننے والوں کو اس غیر معمولی گھُپ اندھیرے کی یاد تازہ کردی ہوگی۔ جب کہ مسیح صلیب پر لٹکا ہوا تھا لیکن اُس کی مکمل تکمیل اُس زمانے کے آخر پر روزِ عظیم یعنی عدالت کے دن ہوگی۔

پطرس کی دلائل کا پہلا نکتہ یہ ہے:۔

(ا) مسیح کے معجزوں نے ثابت کردیا کہ وہ حقیقت میں مسیح تھا۔

(ب) پھر وہ حضرت داؤد کے دو زبوروں میں سے حوالے دیتا ہے (زبور ۱۶: ۸-۱۱ ؛ ۱۳۲: ۱۱) اور ثابت کرتا ہے کہ مسیح کا مرُدوں میں سے جی اٹھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فی الواقع مسیح تھا۔

(ج) پطرس کی تیسری دلیل یہ ہے کہ روح القدس کا کثرت سے نازل ہونا گواہی دیتا ہے کہ مسیح مصلوب قدرت اور اختیار کے اس مرتبے پر متعین ہو چکا ہے جس کی پیش گوئی حضرت داؤد نے کی تھی (زبور ۱۱۰: ۱)۔ "پس ان تین دلائل کی بنا پر" اسرائیل کا سارا گھرانا یقین جان لے کہ خدا نے اسی یسوع کو جسے تم نے صلیب دی خداوند بھی کیا اور مسیح بھی" (آیت ۳۶)۔ سامعین کے دل پر ٹھیس لگتی ہے۔ پھر پطرس اپنے کلام کو ایک اپیل سے بند کرتا ہے اور انہیں توبہ کرنے اور بپتسمہ لینے کی تلقین کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے انہیں بھی اسی طرح روح القدس کی نعمت مل جائے گی جیسے کہ ان کو ملی۔

رسول اور اس کا وعظ دونوں روح القدس کی قوت کے زندہ گواہ تھے۔ مسیح کے مرُدوں میں سے جی اٹھنے کا گہرا یقین تھا۔ وہ پطرس جس

نے تھوڑی دیر پہلے ڈر کے مارے خداوند کا انکار کیا تھا۔ اب بڑی دلیری سے اپنی قوم کو مسیح کے قتل کا مجرم ٹھہراتا ہے۔ پطرس کی دانائی، دلائل اور اندازِ بیان بھی حیران کن ہے۔ وہ کسی قسم کی مخالفت کئے بغیر، پاک کلام میں سے اپنے سامعین کو قائل کر لیتا ہے۔ کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ مسیح کی خدمت کے اختتام پر اس کے شاگردوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی۔ لیکن اب پطرس کے ایک ہی پیغام کے بعد تین ہزار مسیح پر ایمان لے آتے ہیں۔ کلیسیا کی ایسی نمایاں فتح یوحنا ۱۴: ۱۲ کی تکمیل ہے۔

اتنی بڑی تعداد کے ایمان لانے اور بپتسمہ پانے کے پیشِ نظر ان کارندوں کے لیے جو کہ آج کل ان علاقوں میں کام کر رہے ہیں جہاں تبلیغی کام وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ تین ہزار جو ایمان لائے بُت پرست نہ تھے۔ جنہوں نے انجیل کی بشارت پہلی مرتبہ سُنی تھی، بلکہ یہ وہ یہودی اور نومرید تھے۔ جنہیں مسیح کی آمد کی انتظار تھی۔ اب چونکہ انہوں نے یسوع کو وعدہ کیا ہوا المسیح قبول کر لیا، لہذا انہیں اسرائیلی گلے میں سے کلیسیا میں شامل کر لیا گیا۔

(۳) نومریدوں کی زندگی ۲: ۴۲-۴۷

جنہوں نے مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کر لیا ان کا دیگر زبانوں کی بخشش یا پطرس کی فصیح البیانی یا بڑے بھاری گروہ کی تبدیلی سے کم معجزانہ تھا۔ روح القدس کی قوت کا بین ثبوت ایماندار کی روزمرہ

کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ ان نو مریدوں کو خداوند کی تعلیم، ایمانداروں کی رفاقت، عشائے ربانی میں شرکت اور دُعا کا از حد شوق رہپیار تھا وہ خوش باش اور قانع تھے۔ اور ایک دوسرے سے اتنے سچے دل سے محبت کرتے تھے۔ کہ اپنی تمام چیزوں میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ اس لیے یہ تعجب کی بات نہیں تھی کہ وہ "سب لوگوں کو عزیز تھے"۔ اور نو مریدوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی۔ ایسی مسیحی زندگیاں دوسروں کو مسیح کی طرف کھینچ لاتی ہیں۔ اگر ہمارے پڑوسیوں میں سے ابھی تک کوئی بھی مسیح کے پاس نہیں آیا تو اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے ہم ان آیات کی روشنی میں اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔

ج۔ خوبصورت دروازے پر معجزہ اور اُس کے نتائج ۳:۱-۴:۳۱

(۱) لنگڑے کو شفا دینا ۳:۱-۱۱

شاگرد ابھی تک اپنے آپ کو وفادار یہودی تصور کرتے تھے اور عبادت کے لیے باقاعدہ ہیکل میں جاتے تھے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تین بجے بعد دوپہر شام کی قربانی کے وقت پطرس اور یوحنا ہیکل میں دُعا مانگنے کے لیے جا رہے ہیں۔ جونہی وہ خوبصورت دروازے میں سے جو غیر اقوام کے صحن میں سے مستورات کے آنگن میں کھلتا تھا

گزرنے لگے تو ان کی نظر ایک جنم کے لنگڑے پر پڑی جو بھیک مانگ رہا تھا۔ بجائے بھیک کے جس کی کہ بھکاری کو توقع تھی انہوں نے اُسے یسوع ناصری کے نام سے شفا دے دی۔ پہلے تو وہ ہیکل کے دروازے پر بیٹھا بھیک مانگا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ خوشی سے اُچھلتا، کودتا خُدا کی تعریف کرتا ہیکل کے اندر داخل ہوتا ہے۔

یہ معجزہ کلیسیا کی عملی زندگی کی تشبیہہ ہے۔ بنی نوع انسان خدا کی حقیقی زندگی کی ہیکل کے دروازے پر پڑے ہیں۔ وہ خود بخود اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ مسیح کی تبدیل کر دینے والی قدرت ہے۔ جو انسان کو خدا سے میل ملاپ والی زندگی میں داخل کرتی ہے۔ اور جس کے لیے اُس نے ہمیں مقرر کیا ہے۔ مادی امداد کی نسبت انسانوں کو روحانی تبدیلی کی زیادہ ضرورت ہے۔

(۲) پطرس کا وعظ ۳:۱۲-۲۶

بھکاری جو کہ اب شفا پاکر اُچھل کود رہا اور خُدا کی تعریف کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر فوراً ہی ایک بھیڑ پطرس اور یوحنا کے گرد جمع ہو گئی۔ پطرس اس معجزے کو مسیح کے جی اٹھنے کے بارے میں بطور گواہی استعمال کرتا ہے۔ سامعین یروشلیم کے مستقل باشندوں پر مشتمل ہیں۔ پطرس ان کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ کہ انہوں نے پیلاطس کو مجبور کیا کہ وہ مسیح کو صلیب دینے کے لیے لوگوں کے حوالے کر دے" اور

ایک قاتل کو چھوڑ دے۔ اور ایک راستباز اور زندگی کے شاہزادے کو قتل کر دے۔ لیکن وہ انہیں بتاتا ہے کہ معافی کا دروازہ کھلا ہے اور اپیل کرتا ہے کہ وہ توبہ کریں (آیات ۱۹-۲۱)۔ پطرس کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنے آقا کی مانند "کچلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا"۔ پطرس اب اسی عقیدے کی تعلیم دے رہا تھا۔ جس کی اُس نے ایک مرتبہ مخالفت کی تھی کہ مسیح کو دکھ اٹھانا پڑے گا (ملاحظہ کیجیے متی ۱۶: ۱۲-۲۲)۔

نبیوں کے صحیفوں میں جو بتایا گیا ہے کہ مسیح کی آمد پر امن چین، خوشی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوگا، اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دَور سے قبل یہودی قوم کی تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ اور وہ خداوند مسیح پر ایمان لے آئے گی۔ اُنیس سے اِکیس آیات میں جب پطرس توبہ کی تلقین کرتا ہے تو اس بحالی اور تازگی کے ایام کا تذکرہ کرتا ہے۔ جب "سب چیزیں بحال" ہو جائیں گی تو پیدائش ۳: ۱۶-۱۹ کی لعنت ٹل جائے گی۔ اور... "دشت خوشی کرے گا۔ اور نرگس کی مانند شگفتہ ہوگا" (ملاحظہ کیجیے رومیوں ۸: ۲۱)۔ اس وعظ کے نتیجہ پر ایمانداروں کی تعداد پانچ ہزار تک جا پہنچی، جس میں عورتیں اور بچے شامل نہ تھے۔ ایمانداروں کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھ رہی تھی کہ یہ آخری دفعہ ہے کہ کلام میں تعداد کا ذکر کیا گیا ہے (۴: ۴)۔

(۳) عدالتِ عالیہ (یہودی مذہبی عدالت) کے سامنے ۴: ۱-۲۲

ہلچل دیکھ کر کاہن، ہیکل کا سردار اور صدوقی دوڑے آئے۔ چونکہ اب

تفتیش کے لیے دیر ہو چکی تھی لہٰذا پطرس اور یوحنا کو صبح تک کے لیے بند کر دیا گیا۔ پطرس کے قیامت کے پیغام سے خاص کر صدوقی سیخ پا ہو گئے کیونکہ اگر مسیح کی قیامت برحق تھی تو ان کا یہ عقیدہ کہ نہ کوئی آئندہ کی زندگی ہے اور نہ کوئی نادیدنی دنیا خاک میں مل جاتا۔ مسیح کی بیشتر مخالفت فریسیوں کی جانب سے ہوتی رہی اور صدوقی عام طور پر اس کی تعلیم سے لاتعلق رہتے تھے۔ مسیح نے فریسیوں کی ظاہری عبادت کی کھلم کھلا مذمت کی اور عبادت کے رُوحانی اور اندرونی پہلو پر زور دیا تھا۔ اور شاگردوں نے اپنے آقا کی موت اور مُردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد سب سے زیادہ اس کی قیامت اور اس کے نادیدنی دنیا میں تاابد زندہ رہنے پر زور دیا۔ اس بات پر اُن کا صدوقیوں سے تصادم ہو گیا اور وہ شاگردوں کے سب سے بڑے دشمن بن گئے۔ اگرچہ فریسی بھی مخالف تو تھے لیکن ان کا شاگردوں کے ساتھ بہت کچھ مشترک تھا (دیکھیے باب ۲۳ اور پانچویں باب میں گملی ایل کی نرمی اور بیچ بچاؤ)۔ پندرھویں باب کی پانچویں آیت میں ذکر ہے کہ کچھ فریسی بھی ایمان لائے لیکن صدوقیوں کے مسیحی ہونے کا کہیں ذکر نہیں۔

صدوقی بہت دولت مند اور اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ان کا کاہنوں کے فرقے سے تعلق تھا۔ عدالتِ عالیہ (یہودیوں کی مذہبی عدالت) جس کو رومی حکومت کی جانب سے اہل یہود کے دینی معاملات میں کھلا اختیار تھا، اس کے اکثر ممبران میں سے اکثریت اسی فرقے کی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قیامت کے عقیدے سے انکار کے باوجود بھی صدوقی فرقے نے مسیح کے مُردوں

میں سے جی اٹھنے کے خلاف کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔ اگر مسیح کی قیامت کو رد کرنا ممکن ہوتا تو اس کے خلاف یہ فرقہ اپنی دولت اور رسوخ سے دریغ نہ کرتا۔ صرف وہ اتنا کر سکے کہ جو مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کو مشتہر کرتے تھے، انہیں خاموش کرنے کی کوشش کی۔ مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کی اس سے بڑی کون سی شہادت ہو سکتی ہے کہ ان سادہ سے لوگوں کی جو کہ اس کے جی اٹھنے پر ایمان رکھتے تھے۔ زندگیاں تبدیل ہو گئیں اور وہ زبردست دشمن جو اس عقیدے کے خلاف تھے، اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

پطرس دلیری اور ادب سے اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ انہوں نے کس کے نام سے اور کس کی قدرت سے لنگڑے کو شفا دی تھی۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ لنگڑے کو اُس کے نام سے شفا دی گئی ہے جسے ان کے حاکموں نے قتل کیا ہے، لیکن خُدا نے اُسے مُردوں میں سے جلایا ہے۔ پطرس مزید کہتا ہے کہ صرف یسوع مسیح کے وسیلے سے نجات ملتی ہے (۴: ۱۲)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خُدا اتنا تنگ دل نہیں کہ نجات کے دوسرے وسیلے خارج کر دے۔ لیکن یاد رکھئیے کہ پطرس نے رُوح القُدس سے معمور ہو کر کہا تھا کہ نجات کا صرف ایک ہی وسیلہ ہے۔ حاکموں کا یہ زُعم تھا کہ اُنہوں نے مسیح کی بااختیار آواز کو خاموش کر دیا ہے۔ لیکن وہ اس آواز کو اب اس کے شاگردوں کے مُنہ سے سُننے لگے۔ ان سادہ لوح ماہی گیروں کے پیغام اور رویّے کی وجہ یہ تھی کہ وُہ "یسوع کے ساتھ رہے" تھے۔

(۴) کلیسیا کی دُعا ۴: ۲۳-۳۱

جب پطرس اور یوحنّا رہا ہو گئے تو وہ فوراً مسیحی بھائیوں کے پاس آ گئے تاکہ ان کو اپنے تجربات سے آگاہ کریں۔ ان کی رہائی پر تو بہت شادمانی تھی۔ لیکن کلیسیا کو اپنے حالات اور واقعات کی نزاکت کا بھی گہرا احساس تھا۔ ؎

کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ

ایک طرف تو اُن کے آقا نے انہیں اُس کی گواہی دینے کا حکم دیا ہُوا تھا، اور دوسری طرف ان کی قوم کے حاکم مسیح کا نام لینے سے بھی منع کر رہے تھے۔ ان حالات میں انہیں جس تسلّی کی ضرورت تھی وہ انہیں زبور ۲ میں سے مل جاتی ہے۔ یہ زبور ان کے حالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ انہیں یاد آ گیا کہ "وہ جو آسمان پر تخت نشین ہے ہنسے گا"۔ انہیں خوب علم تھا کہ آخر کار مخالفت تو اُس کی ہی کی جا رہی ہے جو رہائی دینے پر قادر ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس قادر ہستی سے چیخ کر پکار کی۔ البتہ اُن کی پکار رہائی کے لیے نہ تھی بلکہ دلیری اور گواہی دینے کے لیے اور اپنے پیغام کی حمایت کے لیے معجزوں کے متعلق۔

چونکہ اُن کی دُعا "ایک دل ہو کر" اور فرشتوں کے وعدوں پر مبنی تھی۔ اس لیے اُس کی قبولیت لازمی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہُوا اُس کو "دوسرا پنتکُست" کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔ رُوح القُدس ہمیشہ ایک ہی طرز

سے کام نہیں کرتا۔ پس اس مرتبہ آگ کی زبانیں نہ تھیں لیکن الٰہی حضوری اور قوت کو ظاہر کرنے کے لیے زمین لرزی۔ غیر زبانیں نہ بولی گئیں۔ مگر اپنے ہم وطنوں کے سامنے گواہی دینے کے لیے دلیری عطا کی گئی۔

د۔ مشترکہ مال و متاع اور ابتدائی نظام ۴: ۳۲ - ۵: ۱۱

یروشلیم کی کلیسیا میں اپنی مرضی سے ایک دوسرے کو اپنے مال و متاع میں شریک کرنا، مسیحی محبت اور یگانگت کی وجہ سے تھا۔ علاوہ ازیں ان کا یہ بھی خیال تھا کہ شاید خداوند مسیح پھر ظاہر ہو جائے گا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسیح نے جلد واپس آجانا ہے تو پھر روزی کمانے میں کیوں وقت ضائع کریں۔ لہٰذا دولت مند غریبوں کا بوجھ اٹھاتے رہے اور سب ایماندار مسیحی تعلیم اور رفاقت میں وقت صرف کرنے لگے۔ اس طرح بہت سے زائرین کو یروشلیم میں رہ کر مسیحی تعلیم کا موقع مل جاتا تھا۔ مگر کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی جائیداد کے مالک بنے رہے (۱۲ : ۱۲)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کہیں مشترکہ مال و متاع کا ذکر آتا ہے۔ اُس کے فوراً بعد رُوح القدس کے نازل ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ رُوح القدس کی معموری نے ایمانداروں کے دلوں میں محبت اور بے غرضی بھر دی۔ اس وجہ سے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اپنے مال و زر میں دوسروں کو شریک کریں۔ آج کل کلیسیا میں ایسے نظام کی کتنی ضرورت ہے۔ تاکہ نو مرید اپنے شروع شروع کے مشکل ایام میں مستفید ہو سکیں! افسوس کا مقام ہے کہ بہت سے نو مرید جب اپنے نئے ایمان

کی حرارت سے کلیسیا میں شرکت حاصل کرتے ہیں تو ان کا کوئی خاص خیر مقدم نہیں کیا جاتا اور ان کو تکالیف میں کلیسیائی شرکت میسر نہیں ہوتی۔ ابتدائی مسیحیوں کی محبت کو دیکھ کر ہم تعریف اور شکرگزاری سے بھر جاتے ہیں لیکن باوجود رُوح القدس کی معموری کے وہ خاطی انسان تھے اور اپنے فیصلوں میں غلطی کر سکتے تھے۔ اگر مسیح خداوند جلد ہی لوٹ آتا تو ان کا غربا کی امداد کا پروگرام شرمندہ تعبیر ہو جاتا۔ مگر نتائج شاہد ہیں کہ ان کا طویل مدت کا پروگرام غلط تھا۔ یروشلیم کی کلیسیا غربت کی دلدل میں پھنس گئی جس سے وہ نکلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ پولس کے بشارتی سفروں کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ "یروشلیم کے مفلس مقدسوں" کے لیے چندہ جمع کرے۔

مندرجہ بالا غربت کا سبب مشترکہ مال و متاع کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ کیونکہ یہودی عام طور پر خوشحال تھے اور غیر اقوام کی جماعتوں کی مانند یروشلیم کی کلیسیا میں کوئی زیادہ غلام بھی نہ تھے۔ انسانی طبیعت کے پیش نظر مدد تب ہی کرنی چاہیئے جب ضروری ہو۔ اور یہ اس طرح سے کرنی چاہیئے کہ وہ مدد لینے والے کے "اپنے آپ کوئی کام کرنے کے جذبے" اور "اپنی مدد آپ" کرنے کے اصول میں حائل نہ ہو جائے۔ خدا کا مقصد ہے کہ ہر ایک انسان ہاتھ پاؤں مارے اور ذمہ داری اٹھائے، مگر بخشش اور سخاوت پر گزارہ کرنے سے یہ خصوصیات مُردہ ہو جاتی ہیں۔ کلام پاک میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ مشترکہ مال و متاع کا ایسا سلسلہ کسی دوسری کلیسیا میں بھی قائم ہوا۔ البتہ غربا کی امداد پر سب کلیسیائیں زور دیتی تھیں۔ یروشلیم

میں یہ ایک خالص رضاکارانہ، مقامی اور وقتی چیز تھی۔ عام طریقہ جواب مسیحیوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ۱-کرنتھیوں ۱۶: ۲ میں پایا جاتا ہے۔

مشترکہ مال ومتاع کی تحریک نے ایمانداروں کے لیے فیاضی اور بے غرضانہ امداد کے مواقع پیدا کر دیئے لیکن یہ تحریک دھوکے سے بھی خالی نہ تھی جیسے کہ ہم حننیاہ اور سفیرہ کے بارے میں دیکھتے ہیں۔ حننیاہ اور سفیرہ نے ایک کھیت بیچا اور ظاہر کیا کہ وہ اس کی تمام قیمت کلیسیا کو دے رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ قیمت فروخت کا صرف ایک حصہ ہی دے رہے تھے۔ وہ اپنے فیاضانہ کردار کی تعریف چاہتے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ چپکے چپکے قیمت کے کچھ حصے سے خود بھی لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ دولت اور نام ونمود کی ہوس نے انہیں ایسا کرنے پر آمادہ کر دیا۔ انسان کی مخصوصیت کی جانچ کرنے کے لیے اُس کی دہ یکیوں اور ہدیوں کی ادائیگی کے علاوہ اور کوئی بہتر طریقہ نہیں ہے۔

پطرس حننیاہ کے دھوکے کو بھانپ گیا اور اُسے مجرم ٹھہرایا کہ اس نے کلیسیا سے جھوٹ بول کر رُوح القدس سے جھوٹ بولا ہے۔ اور زمین کی قیمت کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ کر جس کو خُدا کا پیش کر دہ بتایا ہے چوری کی ہے۔ پطرس نے اُسے کہا کہ وہ اپنے مال وزر کا کوئی حصہ دینے کا پابند تو نہیں تھا (۵: ۵)۔ دھوکے اور ریاکاری میں گناہ چھپا ہوتا ہے۔ حننیاہ نے خاموش رہنے سے دھوکہ دیا۔ اُس نے یہ نہ بتایا کہ وہ زمین کی کل رقم لے کر آیا ہے۔ لیکن لوگوں کو مغالطے میں ڈال دیا۔ کہ اس نے ایسا کیا ہے۔

وہ لوگوں سے تعریف چاہتا تھا۔ لیکن اُسے خُدا کو خوش کرنے کی پرواہ نہ تھی۔

پطرس اس جوڑے کا گناہ تاڑ گیا اور انہیں ملامت کی لیکن اس سے ہمیں یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس نے لعنت کی تھی۔ ممکن ہے حننیاہ نے اپنے گناہ کا احساس کر کے دم توڑ دیا ہو۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اپنے گناہ کے احساس اور اپنے شوہر کے رنج کی وجہ سے سفیرہ جاں بحق ہو گئی ہو۔ سبب کچھ بھی ہو، سزا دینے والا خدا تھا۔

"ساری کلیسیا ..... پر بڑا خوف چھا گیا" (۵: ۱۱)۔ اس سزا کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی تھا۔ یسوع مسیح ریاکاری اور لالچ پر بار بار ملامت کر چکا تھا۔ لہذا ابتدائی کلیسیا کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لیے خُدا نے پہلی خلاف ورزی کا فوراً تدارک کیا۔ یشوع کے ساتویں باب کی عکن کی کہانی سے اس کہانی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ دونوں واقعات بائبل کی تواریخ کے نئے دَور کے آغاز میں ظہور میں آئے۔ ہر نئے دَور کے شروع میں خُدا نے غیر معمولی حد تک معجزے ظاہر کئے اور انتہا درجے کی سزائیں دیں۔ اگرچہ گناہ کے بارے میں خُدا کا نظریہ ہمیشہ یکساں رہتا ہے تاہم دوسرے زمانوں میں کسی بھی قصور وار مسیحی نے حننیاہ اور سفیرہ جیسی سخت سزا کبھی نہیں بھگتی۔ اس جوڑے کی موت اُس گناہ کی مثال سمجھی جائے "جس کا نتیجہ موت ہے"۔ ایسی موت جس کے سبب سے خُدا اپنے فرزند کو اس دنیا سے اٹھا لیتا ہے (۱-یوحنا ۵: ۱۶ مقابلہ کیجئے ۱-کرنتھیوں ۱۱: ۳۰-۳۲)۔ خُدا کے ہر ایک فرزند کا گناہ اس کے حالات کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔ مقدس بزرگ موسیٰ کا گناہ اس کا

غصّہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ارض موعودہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی آسمانی وطن کو سدھار گیا (استثنا ۳۲: ۴۸ ۔ ۵۲)۔

۵۔ مزید ظلم و تشدّد ۵: ۱۲-۴۲

شاگرد جوں جوں معجزے کرتے گئے ان کی ہر دلعزیزی میں ترقی ہوتی گئی اور ایمانداروں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اگرچہ مخالفت تو پہلے بھی تھی لیکن اب شاگردوں کی تعداد بڑھ جانے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اس نئے دین کو ملیا میٹ کرنے کی ہمہ تن کوشش کی جانے لگی (۴: ۳)۔ سردار کاہن اور صدوقیوں نے تمام شاگردوں کو گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا۔ اس رات ایک فرشتے نے انہیں رہا کر دیا اور کہا۔ "جاؤ ہیکل میں کھڑے ہو کر اس زندگی کی سب باتیں لوگوں کو سُناؤ"۔ رسولوں کے زمانے میں فرشتوں کے بار بار ظاہر ہونے کے بارے میں ایک مفسّر نے کہا ہے "تجسم کے عظیم معجزے اور مسیح میں خُدا کے بہت بڑے ظہور کے بعد دیگر آسمانی ظہورات بہت ہی کم ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے لیے ابدی دروازے کھول دیئے گئے اور فرشتے اندر باہر جانے لگے"۔ اگرچہ نظر نہیں آتی مگر آج کل بھی فرشتوں کی خدمت خاص اہمیت رکھتی ہے (عبرانیوں ۱: ۱۴)۔

صبح کی قربانی کے بعد یہودیوں کی مجلس منعقد ہوئی۔ جب انہوں نے شاگردوں کو بلایا اور انہیں حوالات میں نہ پایا۔ تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ تب کسی نے خبر دی کہ شاگرد ہیکل میں تعلیم دے رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں

خاموشی سے مجلس کے سامنے حاضر کیا گیا۔ سردار کاہن نے سختی سے یاد کرایا کہ انہیں مسیح کے نام میں خوشخبری دینے کی ممانعت کی گئی تھی۔ پطرس نے وہی جواب دیا جو مجلس کے سامنے پہلے دیا تھا کہ "تم ہی انصاف کرو آیا خُدا کے نزدیک یہ واجب ہے کہ ہم خُدا کی بات سے تمہاری بات زیادہ سُنیں" (۴: ۱۹)۔ پھر پطرس نے بڑی دلیری سے یہودی پیشواؤں پر الزام لگایا کہ جس مسیح کے زندہ اور جلالی نجات دہندہ ہونے کی وہ بشارت دیتے ہیں اُس کو انہوں نے قتل کر دیا تھا۔ یہ سُن کر غضبناک سردار شاگردوں کی چھوٹی سی ٹولی کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تیار ہو گئے۔ یوسیفس مورخ نے صدوقیوں کو ایک خونخوار فرقہ بتایا ہے۔ جو ہمیشہ سختی سے سخت سزا دینے کے درپے رہتے تھے۔ یہ بات قابلِ تسلیم ہے کیونکہ وہ بائبل کی اعلیٰ قدروں کے معتقد نہ تھے۔ اور نہ ہی آئندہ زندگی پر اعتقاد رکھتے تھے۔

شاگردوں کی جان مجلس کے ایک بارسوخ عالم گملی ایل (جو کہ پولس کا اُستاد تھا) کی وساطت سے بچ گئی (دیکھئے ۲۲: ۳)۔ گملی ایل نے سوچ بچار اور احتیاط کی صلاح دی۔ اُس نے دو یہودی بغاوتوں کا حوالہ دیا جو رومی حکومت کے خلاف برپا ہوئی تھیں اور ناکام رہی تھیں۔ اُس نے کہا "اگر یہ تحریک خُدا کی جانب سے نہ ہوئی تو مٹ جائے گی ..."۔ یہودی مورخ یوسیفس ان بغاوتوں کا یوں ذکر کرتا ہے کہ ۴۴ء میں ایک شخص بنام تھیوداس (THEUDAS) نے ایک ناکام بغاوت کی قیادت کی جس میں کہ وہ مارا گیا۔ یہ واقعہ تقریباً گملی ایل کے وعظ کے ۱۲ سال بعد

کا ہے۔ شاید یہ مقصود اس مختلف ہے جو کہ ۴۴ء تم میں ہیرودیس اوّل کی موت کے بعد کے زمانے میں تھا۔ دوسری بغاوت گلیلؔ کے یہوداؔہ سے منسوب ہے جس نے ۶ء میں بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ گملی ایل کا مشورہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ مجلس کو یہ صلاح دیتا کہ غیر جانبدارانہ طور پر واقعات کا جائزہ لیا جائے اور نتیجہ کے طور پر جو بھی حقیقت ثابت ہو اُسے قبول کر لیا جائے۔ مگر اس میانہ روی کے مشورے نے شاگردوں کی جان بچالی۔

مجلس نے گملی ایل کا مشورہ قبول کر لیا اور شاگرد رہا کر دیئے گئے۔ لیکن انہیں پیٹا گیا اور تنبیہہ کی گئی کہ یسوع کا نام تک نہ لینا۔ شاید یہ پہلا جسمانی تشدد تھا جو شاگردوں کو اپنے ایمان کی خاطر سہنا پڑا۔ وہ بالکل نڈر تھے اور خوش تھے کہ مسیح کی خاطر دکھ سہنے کے قابل تو ٹھہرے۔ انہوں نے اپنی بے باکانہ گواہی جاری رکھی (مقابلہ کیجیے متی ۵:۱۱-۱۲)۔

و۔ ستفنس کی شہادت ۶:۱ - ۸:۱

۱۔ سات شخصوں کی تعیناتی ۶:۱-۷

یروشلیم کی کلیسیا میں کچھ ایسے یہودی تھے جنہوں نے کسی حد تک یونانی تمدن اپنایا ہوا تھا اور یونانی زبان بولتے تھے اور کچھ ایسے یہودی بھی تھے جو آرامی زبان بولتے تھے۔ یونانی مائل یہودیوں نے شکایت کی کہ

کلیسیا کے غرباء میں جو ضروریات کی چیزیں روزمرّہ تقسیم کی جاتی ہیں اس میں ان کی بیواؤں سے لاپرواہی برتی جا رہی ہے۔ اس کا تدارک کرنے کے لیے شاگردوں نے کہا کہ سات نیک آدمی چُنے جائیں جو اس کام کی نگرانی کریں۔ اُن سات چُنے ہوؤں کے نام یونانی ہیں۔ لہٰذا گمان غالب ہے کہ وہ یونانی مائل یہودی تھے۔

چوتھی آیت ظاہر کرتی ہے کہ ایک خادم الدین اور مبشر کا سب سے بڑا کام دعا اور کلام کی بشارت ہے۔ ہر ایک کلیسیا کو ایسے مخصوص شدہ مرد و زن کی ضرورت ہے جو خادم الدین کو کلیسیا کی جسمانی ضروریات سے بے نیاز کر دیں اور اپنے نجی فرائض ادا کرتے وقت بذاتِ خود بھی رُوح سے معموری کا ثبوت دیں۔ سات آدمی جو چُنے جانے تھے لازم تھا کہ وہ نیک نام، رُوح القدس اور دانائی سے معمور ہوں۔ جب کلیسیا میں اپنے افسران منتخب کرتی ہیں تو ان صفات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کسی شخص کو دولت، وقار، عمر اور ذات پات کی بنا پر کلیسیا کے کسی عہدے پر معمور کر دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کلیسیا کی روحانی حالت گر جائے گی۔

ستفنس جو کہ ان ساتوں میں سے ایک تھا نمایاں صفات اور جوش و خروش سے بھرپور تھا۔ اس کے یونانی پس منظر نے اس کی فلسطین اور یہودیت کی حدوں سے پرے بھی دیکھنے میں مدد کی۔ اسے اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کے علاوہ دوسروں کی بھی فکر تھی۔ ان الزامات سے جو اس کے خلاف لگائے گئے ہیں اور اس کے ایک پیغام سے جو کلام پاک میں

مندرج ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے محسوس کیا کہ مسیحیت کا پیغام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے اور یہ یہودی عبادت گاہ اور یہودی طرزِ عبادت تک ہی محدود و مسدود نہیں رہ سکتا تھا۔

(۲) الزامات اور ستفنس کی گرفتاری ۶: ۸-۱۵

ستفنس کے پیغام سے سخت مخالفت پیدا ہو گئی۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہودیوں نے محسوس کیا کہ اس کا پیغام ان کی برتری کے لیے چیلنج اور ان کے روزگار کے لیے خطرہ ہے۔ ہیکل میں دنیا بھر کے یہودیوں کی طرف سے چندے آتے تھے اور سال بہ سال یروشلیم میں زائرین کی وجہ سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ جو الزام مسیح پر لگایا گیا (مرقس ۱۴: ۵۸) اور بعد میں پولس پر لگایا گیا (مقابلہ کیجیے اعمال ۲۱: ۲۸)۔

ستفنس کو پکڑ کر مجلس کے سامنے لایا گیا۔ جھوٹے گواہوں نے جنہوں نے اس پر الزام لگائے کہ وہ:

(ا) اس پاک جگہ یعنی ہیکل کے خلاف کفر بکتا ہے اور کہتا ہے کہ "وہی یسوع ناصری اس مقام کو برباد کر دے گا"

(ب) شریعت کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یسوع ناصری "ان رسموں کو بدل ڈالے گا۔ جو موسیٰ نے ہمیں سونپی ہیں" (۶: ۱۴)۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بیانات نیم سچائی تھے اور ستفنس کے پیغام

میں اس کی کچھ جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔ مُردوں میں سے جی اٹھے مسیح کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ حقیقی عبادت کی جگہ ہیکل نہیں ہوگی اور موسیٰ کی شریعت کے رسم و رواج جو کہ مسیح کی خدمت کا محض عکس تھے بے کار ہو جائیں گے۔ یہ موسوی شریعت کی تکمیل تھی نہ کہ منسوخی "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔

(۳) ستفنس کی صفائی اور شہادت ۷: ۱-۸: ۱

ستفنس کو کوئی امید نہ تھی کہ وہ اپنے وعظ کی وجہ سے سزا سے بچ جائے گا۔ اُسے معلوم تھا کہ اس کا دلیرانہ اور بے باکانہ پیغام ان کے سامنے دو باتیں رکھے گا۔ یا تو وہ توبہ کریں گے یا مسیح کی طرف راغب ہو جائیں گے یا اُسے قتل کر دیں گے۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ستفنس کو اتنی دیر تک بولنے دیا۔ ستفنس نے ان کی مذمت کرنے کے لیے ان کی تواریخ سے حوالے دیئے۔ لوگوں نے اپنے بزرگوں کے متعلق سُننے کے لیے پوری پوری توجہ دی۔ لیکن انہیں یہ خبر نہ تھی کہ ستفنس اپنے لگائے ہوئے الزاموں کے متوازی ان کے خلاف مسودہ تیار کر رہا ہے۔

یہودی اپنی ہیکل کی تعظیم کرتے تھے اور اس سے انتہائی مانوس تھے۔ اس کے خلاف پہلے الزام کے بارے میں ستفنس واضح کرتا ہے کہ ان کے تین بڑے اور قدیم بزرگوں کو خدا فلسطین سے باہر یعنی ہیکل سے باہر ملا۔ مثلاً مُقدس ابرہام کو مسوپتامیہ میں، مُقدس یوسف کو مصر میں اور مُقدس

موسیٰ کو بیابان میں۔ پھر وہ ہیکل کی عمارت کے بارے میں بتاتا ہے (۴۷:۷)۔ اور سننے والوں کو یسعیاہ نبی کے ۶۶ ویں باب کی پہلی دو آیات کے الفاظ یاد دلاتا ہے کہ خُدا تعالےٰ ہیکل میں نہیں سما سکتا (مقابلہ کیجیے ۱سلاطین ۸ : ۲۷)۔

ستفنس کا دوسرا نکتہ یہ تھا کہ اپنی بے دینی کے عالم میں یہودیوں کے جن نبیوں کو خُدا نے اُن کی مخلصی کے لیے بھیجا تھا انہوں نے انہیں قبول کرنے سے پہلے ہی ردّ کر دیا تھا۔ مُقدّس یوسفؔ کے بھائیوں نے اس سے بے وفائی کی۔ مگر خُدا نے اُسے مصرؔ کا حکمران اور کال کے زمانے میں ان کا مشکل کشا مقرر کیا (آیت ۹ : ۱۰)۔ مُقدّس یوسفؔ کی طرح مُقدّس موسیٰؑ کو بھی اس کے لوگوں نے اس سے قبل کہ وہ ان کا چھڑانے والا بنتا ردّ کر کے جلاوطن کر دیا (آیت ۳۵) بلکہ مصرؔ اور بیابان میں خُدا کے بڑے بڑے کام دیکھنے کے بعد بھی خُدا کو ردّ کرتے رہے (آیات ۳۹۔ ۴۰)۔

مُقدّس ستفنس اب ایک بم پھینکتا ہے۔ اس پر الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے کہا ہے کہ خُداوند مسیح مُقدّس موسیٰ کی دی ہوئی رسموں کو بدل دے گا۔ اُس کا بیان اس کے سامعین کو یاد دلاتا ہے کہ تمام یہودی تواریخ کی غرض و غایت المسیح کی آمد تھی۔ اب وہ کہتا ہے "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو تم ہر وقت رُوح القُدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادا نے نہیں ستایا؟ انہوں نے تو اس راستباز کے آنے کی پیش خبری دینے والوں کو قتل کیا! اور اب تم اس کے پکڑوانے والے اور قاتل ہوئے۔ تم نے فرشتوں کی معرفت سے شریعت تو پائی لیکن عمل نہ کیا!"

(آیات ۵۱۔ ۵۳) مُقدّس ستفنس نے اس پر لگائے ہوئے دو الزامات کا جواب دے دیا۔ اور یوں اپنے سننے والوں پر بے ایمانی کا الزام لگا دیا۔ بے ایمانی اور سنگ دلی کی ملامت کر کے اور خُدا کی طرف سے بول کر مُقدّس ستفنس جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے منصفوں کے حوالے کر دیتا ہے خواہ وہ جیتا یا مرتا اُس نے تو خُدا کی مرضی پوری کرنی تھی۔ کلیسیا نے دُعا میں دلیری کی درخواست کی اور انہیں دلیری مل گئی۔

مُقدّس ستفنس کے خلاف یہودی غُصّے سے پاگل ہو گئے۔ لیکن اُس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کے آقا نے اُسے راہ دکھائی۔ مُقدّس ستفنس نے فرمایا۔ "دیکھو! میں آسمان کو کھُلا اور ابنِ آدم کو خُدا کی دہنی طرف کھڑا دیکھتا ہوں"۔ انجیل کے علاوہ یہ لقب یعنی ابنِ آدم صرف یہاں ہی پایا جاتا ہے۔ عدالتِ عالیہ کے ممبران کو مسیح کے قول بھی ضرور یاد ہوں گے (مرقس ۱۴ : ۶۱-۶۳)۔ یہودیوں کے طیش کی انتہا نہ رہی اور "شہر سے باہر نکال کر اس کو سنگسار کرنے لگے" (آیت ۵۸)۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق ملزم کے دونوں ہاتھ اُس کے پیچھے باندھے جاتے تھے اور اُسے اونچی چٹان سے دھکا دیا جاتا تھا۔ چونکہ وہ ابھی زندہ تھا اور گھٹنوں کے بل دُعا مانگ رہا تھا اس لیے وہ اُسے ٹھکانے لگانے کے لیے ہاتھوں میں پتھر اٹھا کر اس پر جھپٹ پڑے۔ اپنے دکھ درد کے عالم میں مُقدّس ستفنس کو خُدا کی طرف سے اطمینان حاصل تھا اس مشتعل اور شور و غل کرنے والے ہجوم میں صرف وہی انسان تھا جو پرسکون اور مطمئن

تھا، جس کی معاف کرنے والی رُوح قائم تھی اور جو اپنے آقا کی مانند
کہنے کے قابل تھا "اے خداوند! یہ گناہ ان کے ذمے نہ لگا" (آیت ۶۰)۔

۲۔ یہودیہ اور سامریہ میں گواہی ۸: ۱-۴

۱۔ ظلم و تشدد گواہوں کو بکھیر دیتا ہے ۸: ۱-۱۲: ۲۵

معلوم ہوتا ہے کہ مُقدّس ستفنس کی ذہانت نے یہودیوں کی دشمنی
کا رُخ یونانی مائل ایمانداروں کی طرف پھیر دیا کیونکہ اُس کی شہادت
کے بعد ظلم وستم کا لاوا جو اُمنڈ پڑا تھا اُس کا سب سے بڑا نشانہ یہی
لوگ تھے مگر رسول یروشلیم ہی میں ٹِکے رہے۔ ہوسکتا ہے کہ رسولوں کی
معجزہ کرنے والی طاقتوں کی وجہ سے لوگوں پر دہشت چھاگئی ہو۔ علاوہ
ازیں ان بارہ شاگردوں کو فلسطین کے کٹر یہودی تصور کیا جاتا تھا۔ صرف
ایک ہی فرق تھا کہ "وہ خداوند یسوع مسیح کو اپنا مصلوب اور مُردوں میں
سے جی اُٹھا منجی مانتے تھے۔ فلسطین کے یہودی اپنے آزاد خیال بھائیوں
کے بارے میں جو کہ فلسطین سے باہر کے ملک سے تعلق رکھتے تھے شاکی
تھے۔ اور مُقدّس ستفنس کی ہیکل کی مفروضہ بے حرمتی نے ان شکوک کی
جو یونانی مائل یہودیوں کے بارے میں پائے جاتے تھے توثیق کر دی۔ خُدا
نے ایذارسانی کو انجیل کی بشارت کا بہانہ بنا دیا۔ فلپس جو کہ سات ڈیکنوں

میں سے ایک تھا انجیل کی بشارت کو سامریہ میں لے گیا۔ دُوسرے یونانی مائل
یہودی، کپرسی اور کرینی انجیلی بشارت کو انطاکیہ میں لے گئے (۱۱: ۱۹-۲۰)۔
اسی طرح ہم بھی جو پاکستان میں جگہ بہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں، ہمارا بھی فرض ہے
کہ خُداوند کی خوشخبری جگہ بہ جگہ لے جائیں اور پھیلائیں۔

ایک کٹر فریسی بنام ساؤل نے جو کہ بذات خود یونانی مائل یہودی تھا اور
جس نے مُقدّس ستفنس کی شہادت میں اہم حصہ لیا تھا اب ایمانداروں کو ستانے
میں سب سے پیش پیش تھا۔ ہم تین دفعہ پڑھتے ہیں کہ ساؤل نے مسیحی مرد و زن
پر ستم ڈھائے (۸: ۳؛ ۹: ۲؛ ۲۲: ۴)۔ تمام حالات کا جائزہ لینے سے
دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اوّل ساؤل کے جوش و خروش کا، اور دوم اُس
نمایاں حصے کا جو مستورات نے ابتدائی کلیسیا میں لیا۔ خُداوند مسیح سے برکات
حاصل کرنے میں مستورات مردوں کے ساتھ یکساں شریک ہیں اور رُوح القُدس
انہیں خدمت کرنے کے لیے طاقت دینے کے لیے انتظار کرتا رہتا ہے۔

رُوحانی تکبر، نسل اور ذات پات کا تعصب کل دنیا میں انجیل کی
بشارت پھیلانے میں مدد کا باعث نہیں بنتا۔ پنتکُست سے صدیوں پہلے
خُدا اُن بکھرے ہوئے یہودیوں کو (ملاحظہ کیجئے تفسیر نمبر ۸ خاموش زمانہ) جو کہ
فلسطین سے باہر دیگر ممالک میں بسے ہوئے تھے۔ وسیع تمدن اور نظریات
کے لیے تیار کر رہا تھا۔ وہ دوسری قوموں میں ملنے جُلنے اور مسیح کے ایلچی بننے
کے لیے تیار تھے۔ یروشلیم کی بجائے غیر اقوام کا شہر انطاکیہ خُداوند کی بشارت
کا مرکز بن گیا۔ یروشلیم تنگ نظر اور متعصب یہودیوں کا گڑھ تھا کشادہ نظر یونانی

مائل یہودی ایماندار سب سے پہلے غیر ملکی مبلغ بنے۔

ب۔ فلپس کی خدمت ۸: ۴-۵

(۱) فلپس اور سامری ۸: ۵-۲۵

سامریہ کے شہر میں فلپس کی بشارت مؤثر ہوئی اور پھلدار ثابت ہوئی۔ سامریہ کے باشندے خداوند پر ایمان لے آئے اور بپتسمہ لے لیا۔ ان کے لیے جو خالص یہودی نہ تھے مسیح کی خوشخبری کو قبول کرنا ایک نئی اور انوکھی بات تھی۔ لہذا رسولوں نے پطرس اور یوحنا کو تفتیش کرنے کے لیے بھیجا۔ (ملاحظہ کیجیے تفسیر نمبر ۹ یوحنا ۴: ۹) یاد رہے کہ جب پطرس کو وہاں بھیجا گیا تو اُسے رسولوں کے درمیان کوئی خاص اختیار یا منصب حاصل نہ تھا۔ اسی طرح کرنیلیس کے خاندان کو بشارت دینے کے بعد اس کی جواب طلبی ہوئی۔ اور اُسے اپنی صفائی پیش کرنی پڑی۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ خداوند یسوع مسیح نے مقدس پطرس کو کلیسیا کا سر مقرر کیا تھا۔ ان کے لیے مندرجہ بالا اور دیگر کئی واقعات یقین دلانے کے لیے کافی ہونے چاہییں کہ خداوند نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اعمال کے پندرھویں باب میں دیکھیے کہ کلیسیا کی پہلی مجلس کا صدر خداوند کا بھائی مقدس یعقوب تھا اور مقدس پطرس حاضرین میں سے محض ایک فرد تھا۔ جب رسولوں نے سامریوں پر ہاتھ رکھے تو اُن پر روح القدس نازل ہوا یعنی انہیں خداوند کے معجزاتی ظہور میں سے کچھ مل گیا۔

روح القدس نے انہیں معافی، ایمان اور خداوند یسوع مسیح میں نئی زندگی کے سبب پہلے ہی ابھارا ہوا تھا۔ عجیب نشانوں کا خاص مقصد اس امر کی تصدیق تھی کہ خداوند نے سامریوں کو اپنی کلیسیا میں شامل کر لیا ہے۔ مقدس پطرس اور مقدس یوحنا نے ان نشانوں کے ظہور کے بغیر ہی حقیقی مسیحی زندگی کو جان لیا تھا۔ سامری اس شخص کے وسیلے سے جیتے گئے اور بپتسمہ لے چکے تھے جو کہ رسول نہ تھا۔ مقدس پطرس اور مقدس یوحنا کی تصدیق اور ان کے روح القدس پا لینے نے ثابت کر دیا کہ سامری کلیسیا کے پورے پورے شرکا تھے۔

جن کو فلپس نے بپتسمہ دیا ان میں شمعون جادوگر بھی تھا جو کہ سامریوں کا روحانی پیشوا تھا۔ مقدس فلپس کے ٹھوس اور حیرت کن معجزوں کو دیکھ کر شمعون خداوند مسیح کے دعووں کا قائل ہو گیا۔ لیکن جب وہ روح القدس دینے کی طاقت کو پیسوں سے خریدنا چاہتا ہے تو وہ اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس پر مقدس پطرس اُسے ملامت کرتا ہے کہ وہ تا حال نئی زندگی سے بے خبر ہے۔ کلیسیا کی بعد کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمعون کلیسیا کا دشمن بن گیا اور بدعتیوں میں پہلا شخص تھا۔ اس کے پیروکار تیسری صدی تک قائم رہے۔ شمعون نے جب مسیح کے نام میں معجزے ہوتے دیکھے تو وہ ذہنی طور پر قائل ہو گیا اور دماغی اعتقاد کی بنا پر بپتسمہ لیا۔ بحیثیت جادوگر جب اس نے سچے معجزے دیکھے تو بھانپ گیا مگر باوجود ایں ہمہ اس نے نجات نہ پائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ روحانی قائلیت اور بھوک پیاس سے بے بہرہ تھا۔ اور اس کے دل نے گناہ کی معافی کے لیے خدا سے التجا نہ کی۔ یوحنا ۲: ۲۳-۲۵ میں

ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند مسیح معجزے دیکھ کر ایمان لانے والوں کا محاسبہ کرتا ہے کہ یہ محض دماغی ایمان ہے جس میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرنے کی خواہش شامل نہیں ہوتی۔

(۳) فلپس اور حبشی خوجہ ۸ : ۲۶-۴۰

سامریہ میں بہت بڑی خدمت کے بعد خدا کے فرشتے نے فلپس کو یہودیہ کے جنوبی علاقے میں جو کہ جنگلی اور پہاڑی ہے فوراً جانے کو کہا۔ کسی بھیڑ کو خطاب کرنے کی بجائے اُسے صرف ایک جان کو خوشخبری دینا تھا۔ مگر یاد رکھیئے کہ یہ کام نہ تو اہمیت میں کم تھا اور نہ اتنا آسان تھا۔ صرف ایک انسان کے سامنے گواہی دینے یا ایک بھیڑ کو منادی کرنے کے نتائج تو صرف خدا کو ہی معلوم ہیں مگر ہر ایک مسیحی مرد و زن کو شخصی گواہی ضرور دینی چاہیئے۔ وہ آدمی جس کو فلپس اس سڑک پر ملا جو یروشلیم سے غزہ کو جاتی تھی، حبشیوں کی ملکہ کنداکے کے وزیر خزانہ تھا۔ بعد ازاں یہی حبشی خوجہ براعظم افریقہ میں مسیحی مبلغ بنا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ حبشہ میں ابتدائی قبطی کلیسیا جن کے ممبر آج کل ہزاروں کی تعداد میں ہیں، مقدس فلپس کی اس تنہا راہی کو بشارت دینے کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اپنے لوگوں کے سامنے بشارت دینے سے ایماندار منزل بہ منزل قدرتی طور پر کل عالم کے مشنری بننے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ شاید مقدس فلپس غیر اقوام کو مسیح کی بشارت دینے کے متعلق شک میں تھا۔ حبشی اگرچہ پیدائشی طور پر غیر ملکی تھا لیکن مذہبی لحاظ سے یہودی تھا۔ وہ ایک نو مرید یہودی تھا اور عبادت کے

لیے یروشلیم کو گیا تھا اور واپسی پر یسعیاہ نبی کا صحیفہ پڑھ رہا تھا۔

باطنی آواز نے کہا "جا" اور رتھ کے پاس جانے کے لیے مقدس فلپس بھاگ نکلا۔ اگر ہچکچاتا تو یہ موقع ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اس نے اجنبی کو بشارت قبول کرنے کے لیے عجیب طریقے پر تیار پایا۔ تمام بائبل مقدس سے یسعیاہ نبی کی کتاب کے باب ۵۳ کے سوا کسی رُوح کو خداوند مسیح کے پاس لانے کے لیے اور کوئی موزوں باب نہیں ہو سکتا۔ مقدس فلپس کے اس سوال کے جواب میں کہ "جو تو پڑھتا ہے اسے سمجھتا بھی ہے!" خوجے کا یہ جواب کہ "یہ مجھ سے کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب تک کوئی مجھے ہدایت نہ کرے" انکساری اور دل کی تیاری کو ظاہر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خوجے نے یروشلیم میں خداوند یسوع مسیح کے بارے میں کچھ نہ کچھ سُنا ہو لیکن جو کچھ سُنا تھا اُسے یسعیاہ نبی کے صحیفے کے اس باب سے منسلک نہ کر سکا۔ بلاشبہ مقدس فلپس نے خوجے کو بتایا کہ حقیقی شاگردی کا نشان بپتسمہ ہے۔ خوجہ نئے ایمان میں شامل ہونے کے لیے بیقراری سے منتظر رہا کہ جہاں کہیں بھی پانی نظر آئے بپتسمہ لے گا۔ پھر خداوند کا رُوح مقدس فلپس کو اٹھا لے گیا اور خوجہ خوشی خوشی اپنی راہ چلا گیا۔ اگرچہ خوجے کا استاد تو گم ہو گیا تھا لیکن وہ خداوند یسوع مسیح کو اور کلام مقدس کو سمجھنے کی چابی حاصل کر چکا تھا۔

مقدس فلپس اشدود میں آ نکلا اور شمال کی طرف جا کر قیصریہ پہنچنے تک راہ میں تمام شہروں میں منادی کرتا رہا۔ اس کے بعد بیس سال تک ہم مقدس فلپس کے بارے میں کچھ نہیں سنتے۔ پھر اس کا نام اس وقت سننے میں آتا ہے جبکہ پولس اس کے گھر ٹھہرا۔ (اعمال ۲۱ : ۸)۔

ج۔ ساؤل کی تبدیلی ۹: ۱-۳۱

کلیسیا کو ستانے والے پولس کی تبدیلی مسیحیت کے حق میں ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ پولس جیسے متعصب اور جابر شخص کی زندگی اور مقصد میں اتنی اہم تبدیلی کی واحد وجہ یہی ہے کہ ساؤل کو پختہ یقین ہوگیا کہ جس کو وہ ستا رہا تھا وہ مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور وہ خُدا کا بیٹا ہے۔ اس جگہ ساؤل کی تبدیلی کا تین دفعہ ذکر آتا ہے اور ۲۲ ویں اور ۲۶ ویں باب میں بھی تذکرہ ہے۔

جب سخت ظلم و تشدد کے باعث مسیحی لوگ یروشلیم سے بھاگ نکلے تو ساؤل کے قاتلانہ جوش و خروش نے اُسے اُبھارا کہ ان کا تعاقب کرے۔ وہ اس مضمون کے خط حاصل کر کے کہ جس یہودی کو اس طریق یعنی مسیحی طریق پر پائے گرفتار کرے، دمشق کی طرف روانہ ہوگیا۔ سردار کاہن کا اختیار فلسطین کے باہر کے عبادت خانوں میں بھی مانا جاتا تھا۔ رومی حکومت اس کا دینی معاملوں میں اختیار کلی طور پر تسلیم کرتی تھی۔ ساؤل کی منزل مقصود دمشق تھی جو کہ سوریہ کا دار الخلافہ تھا اور یروشلیم سے ایک سو تیس میل شمال کی طرف تھا۔

جونہی ساؤل اور اس کے ساتھی شہر کے نزدیک پہنچے تو یکایک ایک نور ان کے گرداگرد چمکا جو کہ دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ تیز تھا۔ تینوں بیانات کے مقابلہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب اُوندھے منہ گر پڑے۔ دوسرے تو اٹھ کھڑے ہوئے مگر ساؤل منہ کے بل پڑا ہی رہا۔ ساتھیوں نے تو صرف ایک آواز سُنی لیکن ساؤل نے یہ الفاظ بھی سُنے۔

"اے ساؤل اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟"

ان الفاظ میں خُداوند مسیح فرماتے ہیں کہ اگر کلیسیا کو دُکھ ہو تو انہیں بھی دکھ ہوتا ہے۔ ۲۶ ویں باب میں کچھ مزید تفصیل دی گئی ہے۔ غیبی آواز عبرانی میں بولی اور کہا "پینے کی آر پر لات مارنا تیرے لیے مشکل ہے"۔ یہ مثال ہمارے سامنے ایک بیل کی تصویر پیش کرتی ہے جو آر پر لات مار کر اپنے زخم کو گہرا کر لیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساؤل اس یقین کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ مُقدس ستفنس کی فاتحانہ موت نے ساؤل پر گہرا اثر کیا ہوگا۔ مگر وہ اس احساس کا مقابلہ کر رہا تھا اس لئے اس کا غصہ مسیحیوں کے خلاف بھڑک رہا تھا۔

بولنے والے نے اپنے آپ کو بدیں الفاظ ظاہر کیا: "میں یسوع ہوں"۔ مُقدس پولس نے ہمیشہ یہ دعویٰ کیا کہ اس نے خُداوند کو دیکھا تھا، اور یہ واقعہ رویا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ مُقدس پولس نے اپنے رسولی اختیار کی داغ بیل اس حقیقت پر ڈالی کہ اس نے خُداوند کو دیکھا تھا۔ (اعمال ۲۶: ۱۶؛ ۱-کرنتھیوں ۹: ۱؛ ۱۵: ۷-۹)۔ حننیاہ اور برنباس نے کہا کہ مُقدس پولس نے خُداوند مسیح کو دیکھا تھا (اعمال ۹: ۱۷؛ ۲۲: ۱۴؛ ۹: ۲۷)۔ خُداوند مسیح کی قیامت کی حقیقت کے بارے میں ساؤل کی تبدیلی ایک مزید شہادت ہے۔ خُداوند کے جلوے نے ساؤل کے دل میں گناہ کی قائلیت پیدا کر دی، خاص طور پر مسیح کو اور اس کی کلیسیا کو ستانے کے عظیم گناہ کے بارے میں۔ کیوں کہ اس کے بعد ساؤل نے ہمیشہ اپنے آپ کو سب سے بڑا گنہگار کہا اور

یہ کہ وہ رسُول کہلانے کے لائق ہی نہیں۔ (۱-تیمتھیس ۱: ۱۵؛ ۱-کرنتھیوں ۱۵: ۹)۔

ساؤل تین دن اندھا رہا۔ اس دوران میں وہ دعا اور پرانے عہد نامے کے نوشتوں پر غور وخوض کرتا رہا۔ اس کے اور جو کچھ اُس نے مُقدس ستفنس سے سُنا تھا، اس کی وجہ سے ساؤل کو انجیل مُقدس کی حقیقت کا احساس ہونے لگا۔ اُس کی سمجھ میں جو بھی کسر تھی وہ حننیاہ نے آکر پوری کر دی۔

ساؤل کو پورے طور پر روشنی میں لانے اور مسیحیوں کی رفاقت میں شامل کرنے کے لیے خداوند تعالیٰ نے ایک غیر معروف شاگرد بنام حننیاہ کو چُنا۔ ساؤل کے پاس جانے سے حننیاہ پہلے تو ڈرا۔ مگر جیسے مُقدس فلپس اور حبشی کے بارے میں اور بعد ازاں مقدس پطرس اور کرنیلیس کے بارے میں ہُوا، مُقدس حننیاہ کو معلوم ہو گیا کہ خدا نے رستہ تیار کیا ہوا تھا کہ ساؤل خداوند مسیح کو اعلانیہ قبول کرے اور بپتسمہ لے۔ اس جگہ رسولی قائم مقامی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ایک عام رسول کی معرفت اُسے رُوح القدس کی معموری بھی مل گئی اور تبلیغی خدمت کی تقرری بھی ہو گئی (۹: ۱۵؛ ۲۲: ۱۵)۔ بعد ازاں جب ساؤل کی تقرری انطاکیہ کی کلیسیا میں باضابطہ طور پر عمل میں لائی گئی تو خدمت کی یہ بلاہٹ ایک جگہ پر محدود ہو گئی (۱۳: ۲-۴)۔ اسی طرح سے غیر اقوام کے شہر میں یونانی مائل یہودیوں میں سے ایک نیا رسُول چُنا گیا۔ تاکہ وہ غیر قوم دنیا کے لیے ایک بہت بڑا گواہ ٹھہرے۔ اگر مقدس پولوس کی یروشلیم میں آمد جس کا ذکر گلتیوں ۲: ۱-۱۰ میں ہے اور جو اس کی تبدیلی کے ۱۴ برس بعد تھی، وہی ہے جس کا تذکرہ اعمال ۱۱: ۲۹-۳۰ میں ہے اور جو ۴۶ء یا ۴۷ء

کے شروع میں تھی تو اس کی تبدیلی ۳۲ء میں ہوئی ہوگی۔

ساؤل پر یہ آزمائش کبھی نہ آئی کہ وہ "خفیہ ایماندار" بنے۔ حالانکہ اُسے معلوم تھا کہ خداوند مسیح کے برملا اقرار سے اُسے دوستوں، اپنے مرتبے (جو کہ اُسے ہر دلعزیز فریسی ہونے کے باعث حاصل تھا) بلکہ شاید جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ دمشق کے عبادت خانوں میں وہ فوراً ہی اعلان کرنے لگا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ گلتیوں ۱: ۱۷-۱۸ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ساؤل عرب کو گیا اور تین سال کے بعد دمشق واپس آیا۔

مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی خدمت کے لیے تیاری بیابان میں ہوئی اور اُسی طرح مقدس پولس کی بھی۔ دمشق میں واپس آنے کے بعد اُس نے دلیری سے گواہی دینی شروع کر دی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ راتوں رات اس نے شہر کی دیوار پھاندی اور شہر سے نکل گیا۔

جب ساؤل یروشلیم میں آیا تو جن شاگردوں نے اُس کے کلیسیا پر مظالم اور انتہائی منافرت کے قصے سُن رکھے تھے اُسے قبول کرنے سے ڈرے۔ برنباس نے ساؤل پر اعتبار کیا اور اس کی ذمہ داری اٹھائی۔ ساؤل نے شاگردی کی قیمت ادا کرنی شروع میں ہی سیکھ لی۔ اُسی طرح جس طرح کہ اس نے دیگر شاگردوں کو یہ سبق سکھایا۔ اب پھر یہودیوں نے اس کی جان خطرے میں ڈال دی (دیکھئے ۲۲: ۱۷-۲۱)۔ شاگردوں نے اُسے اُس کے وطن ترسس بھیج دیا۔ شاید وہ وہاں ان رشتہ داروں کی تبدیلی کا وسیلہ بنا ہو جن کا ذکر ۲۳: ۱۶ اور رومیوں ۱۶: ۱۱، ۲۱ میں آتا ہے۔ البتہ وہ کہتا ہے کہ کچھ ایسے رشتہ دار بھی تھے جو اُس سے پیشتر "خداوند میں"

آ چکے تھے (رومیوں ۱۶ : ۴) ۔

د۔ غیر یہودیوں یعنی رومیوں اور یونانیوں کیلئے دروازہ کھل گیا ۹ : ۳۲ - ۱۱ : ۳۴

(۱) پطرس کے کام ۹ : ۳۲ - ۱۱ : ۱۸

(ا) اینیاس کی شفا اور تبیتا کو زندہ کرنا:- ۹ : ۳۲ - ۴۳
چھٹے باب سے لیکر ہم عام مسیحیوں مثلاً مقدس ستفنس، مقدس فلپس اور اینیاس کے بارے میں بیان کرتے رہے ہیں۔ اب ہم کچھ مقدس پطرس رسول کے بارے میں بیان کریں گے۔ لدہ میں مقدس پطرس نے اینیاس کو شفا دی جو کہ آٹھ برس سے مفلوج تھا۔ یہ واقعہ اتنا عجیب و غریب تھا، کہ لدہ اور شارون کے لوگ خداوند کی طرف متوجہ ہوئے۔
پھر شاگردوں نے یافا میں ایک بے نظیر معجزہ کیا۔ تبیتا (جس کا ترجمہ ہرنی ہے) عالم شباب میں اس دنیا سے چل بسی۔ لدہ سے جو کہ قریب ہی تھا۔ مقدس پطرس کو بلایا گیا۔ اس نے دعا کی اور تبیتا پھر زندہ ہو گئی۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "بہتیرے خداوند پر ایمان لے آئے" مقدس پطرس یافا میں بہت دن رہا۔ پھر روح القدس نے اسے قیصریہ میں جانے کی ہدایت کی جہاں اس نے ایک بہت بڑی خدمت انجام دینی تھی۔

(ب) کرنیلیس اور غیر یہودیوں پر روح القدس کا نزول ۱۰ : ۱ - ۴۸

شاید کرنیلیس غیر یہودیوں میں سے سب سے پہلا مسیحی نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے انطاکیہ میں کچھ یونانی حلقۂ مسیحیت میں آ چکے ہوں (۱۱ : ۱۹ - ۲۱)۔ مگر غیر قوم کرنیلیس کے گھرانے کے مسیحیت قبول کرنے سے اصولی طور پر یہ بات صاف ہو گئی کہ بحیثیت شاگرد یہودی اور غیر یہودی ایک جیسے ہیں۔
کرنیلیس کی تبدیلی کا ماجرا ایک آزمائشی واقعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اتنی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ایک شاگرد تیار کیا گیا اور خدا نے اسے حکم دیا تھا کہ غیر اقوام کو بشارت دے اور اس امر کا ثبوت کہ خدا نے انہیں کلیسیا میں قبول کر لیا ہے یہ تھا کہ جو نعمت یہودی ایمانداروں کو پنتکست کے دن ملی، وہی ان کو بھی عطا کی گئی۔
کرنیلیس ایک فوجی افسر تھا جو رومی سپاہیوں کے ایک دستے بنام اطالیانی کی کمان کر رہا تھا۔ یہ دستہ قیصریہ میں تعینات تھا۔ وہ اعلی اخلاق کا مذہبی آدمی تھا، اور اس کا تعلق اس زمرے سے تھا جسے مقدس لوقا "خدا ترس" کے نام سے پکارتا ہے۔ "خدا ترس" وہ فرقہ تھا جو یہودی ایمان کے ساتھ الحاق تو رکھتا تھا لیکن اس حد تک مانوس نہ تھا کہ ختنہ کرائیں اور پورے طور پر یہودی دین کے پیروکار بن جائیں۔ اگرچہ یہ نفیس انسان سچے خدا پر ایمان رکھتا، دعا کرتا اور خیرات دیتا تھا، لیکن تا حال نجات سے خالی تھا۔ (۱۱ : ۱۳ - ۱۴)۔ ایک دن اسے فرشتہ دکھائی دیا اور اسے یافا سے پطرس کو بلانے کو کہا تاکہ وہ اسے بتائے

کہ وہ اور اُس کا گھرانہ کیسے نجات پائیں۔ گہرے رُوحانی اور بے ریا انسانوں کو بھی مسیح کی ضرورت ہے۔ نیکدیمس، حبشی خوجہ، ساؤل ترسی اور کرنیلیسؔ اپنے دینی اعتقادات اور روحانی ضروریات میں مُخلص تھے۔ اس بات کو کبھی نہیں بھُولنا چاہیئے کہ جو لوگ اس روشنی کے مطابق جو ان کو دی گئی ہو زندگی بسر کرتے ہیں، ان کو یقینی طور پر زیادہ روشنی دی جاتی ہے جو خُدا کو پورے دل سے ڈھونڈتے ہیں وہ ان کو بدلہ دیتا ہے (دیکھئے عبرانیوں ۱۱: ٦)۔

جب کرنیلیسؔ کے قاصد مُقدّس پطرسؔ کو بلانے کے لیے جا رہے تھے تو وہ کو ٹھے کی چھت پر دُعا مانگ رہا تھا۔ اُس کے زندگی بھر کے تعصبات دُور کئے جانے کو تھے تاکہ غیر اقوام کو کلیسیا میں شامل کرنے کے لیے خُدا کا آلۂ کار بن سکے۔ مُقدّس پطرسؔ شاید غیر اقوام کو بشارت دینے کے لیے تیار ہو جاتا۔ لیکن ان کے ساتھ کھانا پینا کبھی بھی گوارا نہ کرتا، اور نہ انہیں مسیحی برادری میں شامل کرنے کو تیار ہوتا۔ یہودی غیر اقوام کے رسم و رواج سے متنفر تھے اور ان کا خیال تھا کہ اُنہیں چھونے سے وہ ناپاک ہو جائیں گے۔

مُقدّس پطرسؔ جب دُعا کر رہا تھا تو اُس نے دیکھا کہ کوئی چیز چادر کی طرح اس کے سامنے آ رہی ہے اور اُس میں قسم قسم کے چوپائے، کیڑے مکوڑے اور پرندے ہیں پھر اُس نے ایک آواز سُنی جو کہہ رہی تھی "اٹھ! ذبح کر اور کھا"۔ چونکہ پاک چوپائے ناپاک چوپاؤں سے مل کر ناپاک

ہو گئے تھے لہٰذا مُقدّس پطرسؔ نے جواب دیا "اے خُداوند! ہرگز نہیں۔ کیونکہ میں نے کبھی کوئی حرام یا ناپاک چیز نہیں کھائی"۔ خُداوند یسوعؔ مسیح نے مرقس کی انجیل میں (دیکھئے ۷: ۱۴) یہودیوں کے کھانے پینے کے اصولوں کو برطرف کرنے کا راستہ تیار کر دیا تھا۔

یہ اصول قومی لحاظ سے اُن کے لیے "ساکرامنٹ" تھے اور انہیں علیحدہ رہنے اور مخصوصیّت کی تلقین کرتے تھے۔ ان کی اساس احبار کی کتاب کے ۱۱ویں باب پر تھی۔ اب یہ اصول مُقدّس پطرسؔ کی رویا کی تعلیم سے منسوخ ہو گئے کیونکہ کھانا پینا مختلف قوموں اور فرقوں میں ایک قدرتی رکاوٹ ہے، لہٰذا اگر کلیسیا نے کلام کے دروازے کل دنیا کے لیے کھولنے تھے تو اس بندش کا خاتمہ ضروری تھا۔ اس زمانے کی بہ نسبت اب ہمارے مابین نمایاں اتحاد ہے۔ کیونکہ مختلف فرقوں اور گروہوں کے مسیحی آپس میں مل جُل کر کھاتے پیتے ہیں۔ کسی فرقہ وارانہ یا قومی تعصب کی بنا پر ایک مسیحی دوسرے مسیحی سے مل جل کر کھانے سے گریز کو درست ثابت نہیں کر سکتا۔ مُقدّس پطرسؔ نے تین دفعہ رویا دیکھی اور تین مرتبہ آواز سُنی۔ اس کی عقل سلیم نے اُسے بتایا کہ کھانے پینے کے معاملے کے علاوہ جو کہ خارجی نوعیّت کا حامل ہوتا اس رویا کا کوئی گہرا بھید ہے پس وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ جب کرنیلیسؔ کے قاصد پہنچ گئے اور اپنا مقصد بیان کیا تو مُقدّس پطرسؔ پر اُس کی رویا کا بھید کھُل گیا۔ وہ قاصدوں کے ہمراہ قیصریہؔ کو روانہ ہو گیا۔ یافاؔ کے چھ ایماندار بھی اُس کے ساتھ

تھے۔ جب مُقدّس پطرس کرنیلیس کے گھر میں داخل ہُوا تو اُس نے دیکھا کہ گھر میں غیر اقوام کے لوگوں کی خاصی تعداد اُس کا انتظار کر رہی ہے۔ اُس نے کہا، "تم تو جانتے ہو کہ یہودی کو غیر قوم والے سے محبت رکھنا یا اُس کے ہاں جانا جائز ہے۔ مگر خُدا نے مجھ پر ظاہر کیا کہ میں کسی آدمی کو نجس یا ناپاک نہ کہوں"۔ پھر مُقدّس پطرس نے حاضرین کو یسوع مسیح کی بشارت دی۔ جب غیر اقوام نے خوشخبری سنی اور ایمان لے آئے تو اُن پر رُوح القُدس ایسے ہی نازل ہُوا جیسے کہ پنتکُست کے دن ہُوا تھا۔ مُقدّس پطرس نے جان لیا کہ خُدا نے غیر قوموں کو قبول کر لیا ہے اور حکم دیا کہ انہیں بپتسمہ دیا جائے۔

پانی کے بپتسمہ اور رسولوں کے ہاتھ رکھنے کے بغیر صرف خُداوند یسوع پر ایمان لانے سے فوراً رُوح القُدس سے معمور ہو جانا ایک عام مسیحی تجربہ ہے یہ لازمی بات نہیں کہ مسیح کو قبول کرنے اور رُوح القُدس کی معموری حاصل کرنے میں کوئی وقفہ ہو۔ مگر رُوح القُدس کی معموری کے بغیر بپتسمہ کے ذریعے اقرار کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ رُوح القُدس کی مسلسل معموری سے نئی زندگی کی ترقی جاری رہے۔ یاد رہے کہ سب سے اہم تجربہ یہ ہے کہ اپنے دل کو مسیح کے سپرد کر دیں اور اس کے بعد رُوح القُدس کی قوّت سے اپنی زندگی کو بدلتے چلے جائیں۔ ان تجربوں کو حاصل کرنے کے لیے آج کل ہم معجزوں کی توقع نہیں کرتے مگر کُرنیلیس کے بارے میں یہ چیزیں اس لیے وقوع میں آئیں تاکہ غیر اقوام کے

کلیسیا میں شامل ہونے کی تصدیق ہو سکے۔

(ج) شاگرد مُقدّس پطرس کے کام کی تائید کرتے ہیں ۱۱: ۱-۱۸

اس خبر کی وجہ سے کہ غیر اقوام نے مُقدّس پطرس کی خاطر تواضع کی ہے اُسے یروشلیم جانا پڑا اور جب وہ وہاں پہنچا تو یہودی ایمانداروں نے اُسے تنبیہ کی۔ اس کے جواب میں مُقدّس پطرس نے اپنی رویا بیان کی اور اس کا مطلب بھی بتایا کہ جسے خُدا نے پاک کیا ہے اُسے انسان ناپاک خیال نہ کریں۔ اُس نے دوسری بات یہ بتائی کہ خُدا نے رُوح القُدس کی معجزانہ بخشش سے غیر اقوام کی تبدیلی پر مہر ثبت کر دی ہے۔ پھر اُس نے یروشلیم کے ایمانداروں سے سوال کیا "جب ایمان لانے والوں کو رُوح القُدس کا بپتسمہ مل گیا تو کیا انہیں پانی کا بپتسمہ دینا جو کہ کم درجے کا ہے ناروا تھا؟" حقیقتیں اتنی قائل کرنے والی تھیں کہ معترضوں کی تسلّی ہو گئی اور انہوں نے کہا "پھر تو بے شک خُدا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لیے توبہ کی توفیق دی ہے"۔

وہ مسیحی جو ذات پات اور اختلافِ راہ و رسم کی بنا پر آپس میں کھلم کھلا نہیں ملتے جلتے، انہوں نے تا حال وہ سبق نہیں سیکھا جو مُقدّس پطرس نے سیکھا تھا۔ اور خُداوند کو رنجیدہ کر رہے ہیں (دیکھئے مکاشفہ ۳: ۲۰)۔

دُوسرے ایمانداروں نے جنہوں نے یہ گواہی نہ سُنی تھی بعد ازاں تکلیف پیدا کر دی اور کہا کہ غیر اقوام کے ایمانداروں کو نجات پانے کے لیے یا کم از کم یہودی مسیحیوں کے برابر ہونے کے لیے موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس مسئلے کے متعلق مُقدّس پطرس کو یروشلیم کی مجلس کے سامنے پھر گواہی

دینی پڑی (باب ۱۵)۔ اُس کے اپنے ذہن میں مسیحی اخوت اور برابری کا مسئلہ
حل ہو چکا تھا۔ اس آزمائشی مسئلے میں خدا نے فلسطین کے ایک بہت بڑے
رسول کو استعمال کیا اور یونانی مائل شاگرد کو استعمال نہ کیا۔ اس طرح سے غیر
اقوام کا کلیسیا میں شامل ہونے کا سوال حل ہونے میں بڑی مدد ملی۔

خدا نے پہلے پنتکست کے دن اور پھر قیصریہ میں مُقدّس پطرس کو استعمال
کیا۔ اس سے ہمیں خداوند یسوع کے وہ الفاظ جو اُس نے متی ۱۶ : ۱۹ میں مُقدّس
پطرس کو کہے تھے سمجھ میں آ جاتے ہیں "میں آسمان کی بادشاہی کی کُنجیاں
تجھے دوں گا۔" پنتکست کے دن مُقدّس پطرس نے یہودیوں کو کلیسیا میں
شامل کرنے کا دروازہ کھولنے کے لیے یہ کُنجیاں استعمال کیں، اور پھر غیر
قوموں کو کلیسیا میں شامل کرنے کے لیے یہ چابیاں کُرنیلیُس رومی کے گھر استعمال
کی گئیں۔ اسی طرح نیم یہودی سامریوں کو کلیسیا میں شامل کرنے میں بھی
اُس کا حصّہ تھا (باب ۸)۔ اب چونکہ مُقدّس پطرس کا چابیاں استعمال
کرنے کا کام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اس منظر سے غائب ہو جاتا ہے
اور یونانی مائل مُقدّس پولُس غیر قوموں کا رسول، ہمارے سامنے
ابھرتا ہے۔

(۲) غیر یہودیوں کی پہلی کلیسیا ۱۱ : ۱۹ - ۳۰

مُقدّس لوقا اب ہمیں شمال کی طرف لے جاتا ہے تاکہ ہم ان ایمانداروں
کے کام دیکھیں جو مُقدّس ستفنس کی شہادت کے بعد اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔

سب سے پہلے تو انہوں نے یہودیوں ہی کو بشارت دی۔ لیکن جب یونانی مائل
یہودی مسیحی سوریہ کے علاقے انطاکیہ میں آئے تو وہ یونانیوں کو بھی کلام سنانے
لگے اور اُن میں سے بہت سے ایمان لے آئے۔ یہ بات سُن کر یروشلیم کی کلیسیا
نے مُقدّس برنباس کو بھیجا۔ مُقدّس برنباس یونانیوں میں خدا کا کام دیکھ کر
بہت خوش ہوا۔ وہ وہاں کچھ عرصہ ٹھہرا اور اس عرصے میں ایمانداروں کو
ایمان میں مضبوط کرتا رہا اور اُس کے وسیلے سے کچھ نو مرید بھی کلیسیا میں
شامل ہو گئے۔ پھر وہ جا کر ترسس سے مُقدّس ساؤل کو لے آیا اور وہ دونوں
ایک سال انطاکیہ کی کلیسیا کو تعلیم دیتے رہے۔ کلامِ مُقدّس میں ہم پڑھتے ہیں
کہ "شاگرد پہلے انطاکیہ ہی میں مسیح کہلائے۔" یہودی ایماندار یہودی ہی کہلاتے
رہے اور ان کا خداوند مسیح پر ایمان ان کے سابقہ ایمان میں توسیع معلوم ہوتی
تھی۔ لیکن ان یونانیوں نے اپنی سابقہ زندگی کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اور اُنکی زندگی
بالکل بدل گئی تھی لہٰذا ان کو ایک خاص نام "مسیحی" دیا گیا۔ زیادہ دیر نہ گزری
تھی کہ سبھی ایماندار خواہ یہودی خواہ غیر یہودی اسی نام سے پکارے جانے
لگے۔ دوسری جگہوں میں یہ نام صرف دو جگہ پایا جاتا ہے۔ دیکھئے اعمال ۲۶ : ۲۸
اور ۱ پطرس ۴ : ۱۶۔ غالباً یہ لفظ اُس سرگرمی کو ظاہر کرتا ہے۔ جس سے اوائلی
مسیحیوں نے اپنے ایمان کی گواہی دی کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ لہٰذا مسیحی نام
جزوِ ایمان ہے۔

خدا انطاکیہ کی کلیسیا کو تیار کر رہا تھا تاکہ ایک بہت بڑے مُبلّغ
مُقدّس پولُس کو بشارتی سفروں پر بھیجے۔ دنیا کو بشارت دینے کے لیے انطاکیہ

ایک بہترین مرکز تھا۔ رُومی حکومت میں روم اور سکندریہ ہی دو بڑے شہر تھے۔ انطاکیہ کی آبادی مخلوط تھی۔ اور بڑی بڑی تجارتی شاہراہوں کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کو ملاتا تھا فلسطین سے باہر رہ کر کلیسیا یہودی تعصب اور اختیار سے آزاد رہ سکتی تھی۔

یروشلیم کے ایمانداروں نے مُقدس برنباس کو انطاکیہ کے ایمانداروں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے معاوضے میں انہوں نے یروشلیم کی کلیسیا کو امداد دی اور چندہ ارسال کیا۔ (دیکھئے نو مرید پرانے ایمانداروں کی امداد کرتے ہیں)۔ اسی طرح نو مرید اپنی اس محبت کا ثبوت دیتے ہیں جوان کو خداوند مسیح میں دوسروں کے ساتھ گانٹھے ہوئے تھی۔ کلیسیا میں جو بنیادی وحدت پائی جاتی اس کی ہمیں اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ملتی۔

۱۵۔ ہیرودیس اگرپہ کا ظلم و ستم۔ باب ۱۲

یروشلیم میں ظلم و تشدد کا لاوا پھر پھوٹ نکلا اور اس مرتبہ رسول خاص نشانہ تھے۔ ہیرودیس اعظم جو کہ مسیح کی پیدائش کے وقت حکمران تھا، اُس کا پوتا ظالم ہیرودیس اگرپہ اول اس وقت رومی حکومت کے تحت یہودیہ اور سامریہ میں حکومت کر رہا تھا۔ وہ بے حد خود پسند شخص تھا چنانچہ اس کی خودنمائی نے اُسے یہودیوں کی مقبولیت ڈھونڈنے کے لیے ابھارا۔ وہ خود رومی تھا۔ مسیحیوں کے خلاف یہودیوں کی نفرت دیکھ کر اُس نے یوحنا کے بھائی یعقوب کو قتل کروا دیا۔ وہ پطرس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرنا

چاہتا تھا۔ اُس نے عیدِ فسح کے دوران اُس پر بہت بھاری پہرہ لگا دیا۔ یعنی چار چار سپاہیوں کے چار پہرے۔

پطرس کے مجوزہ قتل سے چند گھنٹے پہلے اُس کی فرشتہ کے ذریعے معجزانہ رہائی بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ رہائی کے بعد وہ یوحنا مرقس کی ماں کے گھر گیا، جہاں رات بھر دُعا مانگی جا رہی تھی۔ جب رُودی نام لونڈی نے اس کی آواز پہچان لی اور خوشی خوشی دوسروں کو بتایا کہ پطرس دروازے پر ہے تو انہوں نے یقین نہ کیا۔ اگرچہ وہ پطرس کی رہائی کے لیے بدل و جان دُعا کر رہے تھے مگر ان کا ایمان کمزور پڑ گیا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہمارا آسمانی باپ ہماری کمزور دُعاؤں کو بھی کتنی مہربانی سے سُن لیتا ہے (مقابلہ کیجئے استثنا ۳۲: ۳۶)۔ ایمانداروں کے ساتھ بات چیت کر کے وہ روانہ ہو کر دوسری جگہ چلا گیا" (آیت ۱۷) مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ رومن کیتھولک کلیسیا کے اس ایمان کی کوئی بنیاد نہیں کہ پطرس اُس وقت روم کو چلا گیا تھا۔

اس کے بعد ہیرودیس بادشاہ کی ہولناک موت کا ذکر آتا ہے گویا اس کی موت زندہ خدا کی کلیسیا کو تباہ کر دینے کی کوشش کی سزا [illegible] تھی۔ مگر یروشلیم کے مسیحی تو یہی کہتے ہوں گے۔ برنباس اور ساؤل نے [illegible] یروشلیم سے اس وقت واپس آئے تھے اپنے ایمان میں ضرور تقویت [illegible] خداوند اپنے گواہوں کی حفاظت کرے گا۔ یہودیوں کی کلیسیا [illegible] مسیح کے بارے میں خوشخبری [illegible] سے انکار [illegible] ہوگا کہ

غیر اقوام کو ضرور بشارت دی جائے۔

۳- زمین کی انتہا تک گواہی ۱۳: ۱-۲۸: ۳۱

۱- پہلا تبلیغی سفر الباب ۱۳-۱۴ (۴۸ء)

(۱) پولس کپرس میں ۱۳: ۱-۱۲

برنباس اور ساؤل یوحنا مرقس کو بھی اپنے ساتھ لائے اور انطاکیہ کی کلیسیا کو تعلیم دینا شروع کر دیا۔ روح القدس اس کلیسیا کو وسیع خدمت کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اور اب انہیں شاید ان کے کسی نبی کے ذریعے سب سے مضبوط ایمان اور بہترین شاگرد برنباس اور ساؤل کو غیر ممالک میں بطور مبشر بھیجنے کے لیے کہتا ہے۔ کلیسیا فلسطین سے باہر پھیل چکی تھی۔ لیکن اس نے اب تک خداوند مسیح کی بشارت کو دنیا میں پھیلانے کی ذمہ داری نہ اٹھائی تھی لیکن اب انطاکیہ کی غیر یہودی کلیسیا دعا کے ساتھ اور اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے پہلے مبلغین کو بھیجتی ہے۔ یہ نوجوان کلیسیا تھی جسکو خداوند کے کلام میں تعلیم دی گئی تھی۔ اور ان روایات اور تعصبات سے مبرا تھی۔ جو یروشلیم کی کلیسیا کی ترقی میں حائل تھے لہذا یہ کلیسیا روح القدس کی ہدایت پر عمل کرنے کے لیے آزاد تھی۔

خداوند مسیح نے اعمال ۱: ۸ میں جو فرمایا تھا۔ اس کے قریباً سولہ سال بعد ساؤل برنباس اور اس کا ماموں زاد بھائی یوحنا مرقس سلوکیہ سے جہاز پر روانہ ہوئے۔ انطاکیہ واپس آنے سے پہلے انہیں بارہ سو میل کا سفر طے کرنا پڑا۔

انہوں نے پہلی گواہی کپرس کے جزیرے میں دی۔ یہاں برنباس کا گھر تھا (۴: ۳۶)۔ یہاں یونانی، رومی، یہودی اور چند مسیحی رہتے تھے۔ (دیکھئے ۱۱: ۲۰)۔ پافس شہر وینس دیوی کی پرستش کا مرکز تھا اور اس علاقے کے گورنر سرگیس پولس کا گھر تھا۔ بریسوع جادوگر کی کوشش کے باوجود گورنر نے پولس کا پیغام سنا اور خداوند مسیح پر ایمان لے آیا۔

اس وقت سے لے کر ساؤل کو رومی نام پولس سے پکارا جاتا ہے۔ غالباً دونوں نام شروع سے ہی اس کے تھے۔ اور جب وہ رومی دنیا میں چلتا پھرتا ہے تو وہ وہی نام استعمال کرتا ہے جو ان لوگوں میں مقبول تھا علاوہ ازیں اب پولس رہنما بن چکا ہے، اس لیے اس کے بعد ہم برنباس اور ساؤل کے متعلق نہیں پڑھتے بلکہ پولس اور برنباس کے متعلق پڑھتے ہیں۔

(۲) پسدیہ کے انطاکیہ میں (۱۳: ۱۳-۵۲)

مبلغین پافس پار کر کے پرگہ میں آ گئے۔ جو کہ آج کل ترکی میں ہے۔ اس جگہ کسی وجہ سے جس کا ذکر نہیں کیا گیا یوحنا مرقس اپنے ساتھیوں کو

چھوڑ کر یروشلیم کو پلٹ گیا۔ پولس اور برنباس طارس (TAURUS) پہاڑ کے دروں کو عبور کر کے پسدیہ کے انطاکیہ میں چلے گئے جو کہ گلتیہ میں ایک رومی بستی تھی۔ پولس رسول کی تمام تبلیغی کوششوں میں دو اصول پائے جاتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ وہ شاہراہوں کے ساتھ ساتھ کے اہم شہروں میں کلیسیائیں قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسری یہ کہ وہ "پہلے یہودی کو" بشارت دیتا ہے (رومیوں ۲ : ۱۰)۔ اس کی ایک شہر سے دوسرے میں تیز رفتار ترقی آج کل کے مشنری طریقوں سے کتنی فرق ہے۔ اس کی حیرت انگیز ترقی یہودیوں اور "خدا ترسوں" کے باعث ممکن ہوئی۔ کیونکہ ان کی بنیاد پرانے عہد نامے کی تعلیم پر تھی۔ پولس رسول کے بیشتر مرید یہودیوں میں سے تھے جنہیں غیر اقوام کی نسبت وسیع تعلیم کی ضرورت نہ تھی۔

جب دو اجنبی سبت کے دن عبادت خانے میں آئے، تو عبادت خانے کے سرداروں نے انہیں تعلیم دینے کی دعوت دی۔ اس پر پولس نے تقریر کی جو اُس کی تحریر شدہ تقریروں میں سب سے پہلی ہے۔ پولس رسول پرانے عہد نامے کی تاریخ سے ثابت کرتا ہے کہ خدا اپنے لوگوں کے لیے ہمیشہ رہبر مہیا کرتا ہے۔ وہ انہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ خدا کی بخشش کی معراج یسوع مسیح میں تکمیل پاتی ہے اور یسوع مسیح نجات دہندہ ہے۔ اس کی کی حمایت میں وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت مسیح کا رد کیا جانا جو ایک پیش گوئی کی تکمیل ہے اور خاص طور پر مسیح خداوند کی قیامت جس کے زندہ چشم دید گواہ موجود تھے اور جس کی پیش گوئی زبور میں ہے پیش

کرتا ہے۔ وہ اپنے کلام کو اپنے نجات دہندہ کے وسیلے سے گناہ کی معافی پانے کی اپیل اور بے ایمانی کے خلاف تنبیہہ سے بند کرتا ہے۔

"......... ہر ایک ایمان لانے والا ...... بری ہوتا ہے" (آیت ۳۹)۔

تمام اعمال کی کتاب میں صرف اسی وعظ میں پولس راستبازی پر واضح طور پر تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ ایک ایماندار سے کچھ ایسے گناہ سرزد ہوئے ہوں، جن سے پرانے عہد نامے کی رو سے بریت نہ ہو سکتی ہو، لیکن وہ مسیح پر ایمان لے آتا ہے تو خدا کے حضور مکمل طور پر راستباز ٹھہر سکتا ہے۔

غیر اقوام میں سے "خدا ترس" جو کہ پورے طور پر ایمان نہیں لائے تھے خداوند کا کلام بڑی توجہ سے سنتے تھے۔ بیشتر شہروں میں جہاں پولس گیا اُن میں جتنے بھی نو مرید ہوئے ان میں سے بیشتر حصہ ایسے ہی لوگوں کا تھا۔ خبر پھیل گئی اور اگلے اتوار پولس کو سننے کے لیے سارا شہر جمع ہو گیا۔ یہودیوں کو جن غیر اقوام افراد کی توقع تھی کہ ان کے مذہب میں شامل ہوں گے، جب وہ پولس کے پیروکار ہو گئے تو وہ حسد سے بھر گئے۔ جب یہودیوں نے پولس کی مخالفت کی تو اس نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ اپنی توجہ غیر اقوام پر مرکوز کرے گا۔ لیکن یہودی اتنے برانگیختہ ہو گئے اور اتنی مخالفت کی کہ پولس اور برنباس کو یہ جگہ چھوڑنی پڑی۔ لیکن چھوڑنے سے پہلے ایمانداروں کی کلیسیا قائم کر دی۔

(۳) پولس اکنیم، لسترہ اور دربے میں باب ۱۴

پولُس اور برنباس اکنیم کی طرف بڑھے۔ یہاں بہت سے یہودی اور غیر اقوام ایمان لے آئے لیکن ساتھ ہی شدید مخالفت بھی پیدا ہو گئی۔ لہٰذا وہ لسترہ کو بھاگ گئے۔ لُسترہ میں انہوں نے ایک لنگڑے کو شفا دی۔ اس پر غیر اقوام لوگوں نے خیال کیا کہ زیُوس اور ہرمیس دیوتا زمین پر اُتر آئے ہیں۔ توہمات کے زمانے میں ایسا ہی خیال کیا جاتا تھا لوگ ان کو دیوتا تصور کر کے ان کے سامنے قربانیاں چڑھانا چاہتے تھے۔ دونوں رسولوں نے بڑی مشکل سے انہیں اس بات سے باز رکھا۔

ان پر جوش بے دینوں کو مخاطب کرتے ہوئے پولُس نے پرُانے عہد نامے کا حوالہ دے کر اپیل نہ کی، کیونکہ وہ اس سے بالکل ناآشنا تھے۔ لہٰذا اُس نے برحق اور زندہ خُدا کے بارے میں کلام کیا جس نے اپنے تئیں فطرت اور کائنات میں ظاہر کیا ہے۔ پولُس کا پیغام جو اس نے یہودیوں اور نومریدوں کو عبادت خانے میں دیا۔ اس کا موضوع تھا کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ لیکن غیر اقوام کو قائل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ انہیں ابتدائی باتیں بتائے۔ یہ وعظ اور سترویں باب میں جو اتھینیوں کو کلام سنایا گیا واضح کرتا ہے کہ پولُس رسول غیر اقوام سے کیسے گفتگو کرتا تھا۔ مسیحی مبلغین جب اپنے وعظ تیار کرتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ اپنے سامعین کا مطالعہ کریں۔

انطاکیہ اور اکنیم سے یہودی آئے اور جو لوگ پولُس کی عزت کرنے پر آمادہ تھے ان کے دلوں کو یہاں تک پھیر دیا کہ انہوں نے اس کو سنگسار کیا اور مُردہ سمجھ کر شہر کے باہر پھینک دیا (مقابلہ کیجئے ۲ کرنتھیوں ۱۱: ۲۵)۔

اُس کے جسم کے گرداگرد شاگردوں کا ایک گروہ کھڑا ہو گیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس گروہ میں ایک لڑکا بنام تمتھیس بھی اپنی ماں یونیکے کے ساتھ ہو (۲ تمتھیس ۳: ۱۰-۱۱)۔ پولُس اچانک اُٹھا اور شاگردوں کے ساتھ شہر کو واپس آ گیا۔ چونکہ سنگباری کا اثر اتنی جلدی کافور ہو گیا اور پولُس اگلے دن دربے جو کہ چالیس میل دور تھا جانے کے قابل تھا، لہٰذا اس کی صحت یابی معجزانہ تھی۔ اس شہر میں جہاں اتنی زبردست مخالفت ہوتی تھی، وہاں پھر داخل ہونا بھی بہت بڑی دلیری تھی۔ دربے میں انہوں نے کلیسیا قائم کی اور پھر واپس آئے اور لُسترہ، اکنیم اور انطاکیہ گئے۔ اس پہلے تبلیغی دورے کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پولُس کو جب ایک شہر میں ستایا گیا تو اس نے دوسرے شہر کو بھاگ جانا عقلمندی سمجھا (متی ۱۰: ۲۳)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں جرأت کا فقدان تھا وہ ان جگہوں میں بھی پلٹ کر واپس گیا جہاں اس کی زندگی خطرے میں پڑی تھی۔

لُسترہ، اکنیم اور انطاکیہ کے نومریدوں نے بہت کم تعلیم پائی تھی۔ اُن پر ظلم ڈھائے گئے تھے اور انہیں دلجوئی کی اشد ضرورت تھی۔ رسولوں نے مزید تعلیم دی اور ان کی مدد کے لیے ایلڈر مقرر کئے (آیت ۲۳)۔ جیسے کہ ۲-کرنتھیوں ۸: ۱۹ میں ہے، "تقرری" کا مطلب جس گروہ نے چُنا ہو اس کی منظوری سے مقرر کیا جانا سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ "ایلڈر" یہودی عبادت خانوں کے ایلڈروں کی طرز پہ چنے جاتے تھے۔ کیونکہ مقامی کلیسیائیں عام طور پر یہودی عبادت خانوں کے نمونہ پر تھیں۔ "ایلڈر" یہودی نام ہے اور

اسی عہدے کے لیے یونانی لفظ "لبشپ" ہے۔ جو آدمی چُنے گئے شاید وہ
موزوں نہ ہوں لیکن اس وقت صرف وہی دستیاب تھے، لہذا شاگردوں
نے ان کی تقرری کردی اور انہیں خداوند کی حفاظت اور ہدایت کے سپرد
کر دیا۔ یاد رہے کہ سارا کام دُعا اور روزے سے کیا گیا اور اس معاملے
میں خدا کی ہدایت کے لیے بہ دل و جان دعائیں کی گئیں۔ پولُس کے پیشِ نظر
پائیداری تھی۔ لہذا اس نے خود مختار، خود کفیل اور ترقی کرنے والی کلیسیاؤں
کی داغ بیل ڈالنے کی جدوجہد کی۔ اسی طرح ہر ایک پاسٹر کو اپنی کلیسیا
کے ممبران میں مسیحی قیادت اور روحانی ذمہ داری پیدا کرنے کی مسلسل
کوشش کرنی چاہیئے۔

پھر جنوب کو سمندر کی طرف سفر کرتے ہوئے پولُس اور برنباس انطاکیہ
اور سوریہ میں اُس کلیسیا کی طرف آئے جس نے انہیں دُعا کے ساتھ رُخصت
کیا تھا اور خدا کے کام کی رپورٹ سُننے کے لیے بے تاب تھی (غور کیجئے
خدا نے کیا کیا تھا)۔

ب۔ یروشلیم میں مجلس باب ۱۵ (سنہ ۵۰ء)۔

جب پولُس اور برنباس انطاکیہ کو لوٹے تو انہوں نے بتایا کہ خدا نے
"غیر قوموں کے لیے ایمان کا دروازہ" کیسے "کھول دیا" تھا (۱۴: ۲۷)۔ پندرہویں
باب میں ہم پڑھتے ہیں کہ یہودی مسیحیوں نے جو کہ خوشخبری کو پورے طور پر
نہیں سمجھتے تھے یہ دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔

خدا نے یہودیوں کو خاص قوانین دیئے تھے ان میں سے کچھ یہ تھے کہ وہ
بُت پرست پڑوسیوں سے نہ ملیں جلیں اور اپنی شریعت پر کاربند رہیں۔
جب وہ المسیح کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے تو موسیٰ کی شریعت پر صدیوں
تک عمل کرتے رہے۔ ان حالات کے تحت یہودیوں کے لیے یہ سمجھنا بہت
دشوار تھا کہ غیر اقوام جب تک یہودی نہ بن جائیں اور شریعت پر عمل نہ
کریں جس میں ختنہ بھی شامل ہے، کیسے بچ سکتے ہیں۔

یروشلیم کے یہودی مسیحی غیر اقوام کے کثیر تعداد نو مریدوں کے بارے
میں یہ دیکھ کر سخت پریشان تھے کہ انہیں صحیح تعلیم نہیں مل رہی لہذا وہ انطاکیہ
کی مادری کلیسیا کو گئے۔ انہوں نے غیر اقوام مسیحیوں کو بتایا کہ جب تک وہ
ختنہ نہ کرائیں گے نجات نہیں پا سکتے۔ اس ضمن میں ایک مفسر بیان کرتا
ہے "پس تمام زمانوں کا سب سے بڑا اختلاف رُوحانی مذہب اور رسم و
رواج کے مذہب میں پیدا ہو گیا۔ لیکن ہمارے نزدیک ختنے کی جگہ بپتسمے نے
لے لی ہے"۔ بہت بحث مباحثے کے بعد کلیسیا نے فیصلہ کیا کہ ایک وفد یروشلیم
کے رسولوں کے پاس بھیجا جائے۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر کہ مسیحی دو جماعتوں
یعنی یہودی اور غیر اقوام میں نہ بٹ جائیں، اس مسئلہ کو طے کرنا بہت
ضروری تھا۔

یہ طے کرنے کے لیے کہ آیا غیر اقوام یہودی مذہب کو اختیار کر کے مسیح
کے پاس آئیں، سب سے پہلی کلیسیائی مجلس یروشلیم میں سنہ ۵۰ء میں منعقد ہوئی۔
دوسری فیصلہ طلب بات یہ تھی کہ آیا نجات صرف مسیح پر ایمان لانے

سے ملتی ہے یا ایمان اور موسیٰ کی شریعت کی پیروی سے۔ کچھ یہودیوں کے یہ بیان کرنے کے بعد کہ نو مریدوں کے لیے موسیٰ کی شریعت کی پیروی ضروری ہے، پہلے پطرس اور پھر پولس اور برنباس بولے۔ پطرس نے اپنے بیان کی بنیاد کرنیلیس اور اس کے خاندان کے واقعہ پر رکھی جن کو نجات بغیر موسوی شریعت کی پیروی کے بلکہ مسیح بپتسمے سے قبل ہی مل گئی۔ پطرس نے شریعت کو ایک بھاری جوئے کا نام دیا، جس کو یہودی اٹھا نہیں سکتے تھے (مقابلہ کیجئے متی ۱۱: ۲۸-۳۰؛ ۲۳: ۴؛ گلتیوں ۵: ۱)۔ خداوند کے غیر اقوام کو ختنے کے اور شریعت کی پیروی کئے بغیر قبول کرنے سے پطرس کے لیے یہ مسئلہ صاف ہو گیا ہے کہ نجات صرف فضل سے ہی ہے۔ پطرس اپنے کلام کے اختتام پر بتاتا ہے کہ غیر اقوام کی نجات نے یہودیوں پر عیاں کر دیا ہے کہ ان کی نجات بھی صرف فضل سے ہی ہوگی۔ "جس طرح وہ (غیر اقوام) خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے۔ اُسی طرح ہم (یہودی) بھی پائیں گے۔" (آیت ۱۱)۔ یہ ایک فلسطینی یہودی کے لیے کتنا حیرت انگیز اعتراف ہے! اس مصنف کا خیال ہے کہ گلتیوں ۲: ۱-۱۱ انہی واقعات کی عکاسی ہے جو کہ اعمال کے گیارھویں باب میں کلل کے بارے میں ہے اور یہ پندرھویں باب کی مجلس کے انعقاد سے پیشتر کوئی شخصی ملاقات نہ تھی۔ چھت پر رویا کے بعد پطرس نے جو رویہ ۵۰ء کی مجلس میں اختیار کیا اس کی بنا پر وہ ریاکاری سے کام نہیں لے سکتا تھا۔

پولوس نے اپنے سفر کی داستان سنائی اور خداوند کو قبول کرنے

والوں کا بھی ذکر کیا۔ نیز بے شمار لوگوں کی نئی زندگیوں کے متعلق جنہوں نے یہودی شریعت کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا، اس کا بھی تذکرہ کیا۔ اگرچہ پولس رسول غیر قوموں کا رسول تھا تاہم یروشلیم کی کلیسیا میں پطرس کی طرح وہ کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا اور یہ موزوں بات تھی کہ اس موقع پر پطرس ہی زیادہ بولنے والا ہوتا۔

تب خداوند کا بھائی یعقوب جو کہ میر مجلس تھا اٹھا اور کہا کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کلام کے مطابق ہے اور کلام فرماتا ہے کہ غیر اقوام خداوند کی طرف رجوع ہوں گے (عاموس ۹: ۱۱، ۱۲)۔ یعقوب کا فیصلہ جسے مجلس نے قبول کیا تین نکات کا حامل تھا:۔

(۱) آزادی۔ یعنی غیر اقوام میں سے نو مرید کو شرعی تکلیف دہ جوئے سے تنگ نہ کیا جائے (آیت ۱۹)۔

(۲) پاکیزگی۔ آزادی کسی حکم عدولی کا پروانہ نہیں ہے بلکہ پاکیزہ زندگی طلب کرتی ہے (آیت ۲۰)۔

(۳) پیار و مہربانی۔ غیر ضروری معاملات میں ایک مسیحی کو کسی شخص کو جو کہ اپنی خاص رسومات کا پابند ہو خواہ مخواہ ناراض نہیں کر لینا چاہیئے (آیات ۲۰: ۲۱)۔

"بتوں کی مکروہات" آیات ۲۰، ۲۹

کھانے کی اشیا جو بتوں کو نذر گزرانی جاتی ہیں وہ بذات خود نقصان دہ نہیں کیونکہ بُت کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ لیکن یہ غلط فہمی پیدا کر سکتی ہیں کہ

یہ بُت پرستی کے ساتھ سمجھوتہ ہے لہٰذا ان سے احتراز کرنا چاہیئے (۱۔کرنتھیوں ۸:۴-۱۳)۔

حرامکاری :۔

حرامکاری کی سب مسیحیوں کو ممانعت ہے۔ لیکن غیر اقوام کے ایماندار جن کا پس منظر بُت پرستی تھا ان کے لیے یہ ایک خاص آزمائش تھی، لہٰذا اس کے بارے میں تنبیہہ کی گئی ہے۔ بُت پرستی کے ساتھ اکثر رنڈی بازی کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اور جہاں کہیں مسیحیت کا تصادم بُت پرستی سے ہوا وہاں اس قسم کی بداخلاقی کے برخلاف آواز اٹھانی پڑی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بیاہ شادی بھی حرامکاری کے زمرے میں آجاتی ہے (احبار ۱۸:۶-۱۸)۔

گلا گھونٹا گیا ہے:۔

یہودی لہو نہیں پیتے تھے اور نہ وہ گوشت کھاتے تھے جس سے لہو پورے طور پر خارج نہ ہو چکا ہو (احبار ۱۷:۱۳)۔ غیر اقوام کے ایمانداروں کو ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی تھی تاکہ وہ خواہ مخواہ دل شکنی کا باعث نہ بنیں۔

اس اہم بات کے متعلق کہ آیا غیر اقوام کے ایمانداروں کو موسوی شریعت پر کاربند ہونا چاہیئے جس کا آغاز ختنے سے ہوگا، یعقوب نے صاف صاف بیان کر دیا کہ انہیں شرعی باتوں کے متعلق نہ ستایا جائے۔ علاوہ ازیں یہودی ایمانداروں اور غیر اقوام کے ایمانداروں میں صلح اور انہیں کلیسیا میں شامل

کرنے کی خاطر اُس نے بُت پرستی، بداخلاقی، اور کھانے پینے کے متعلق تنبیہہ کی۔ چونکہ غیر اقوام یہودیوں کے قرب میں زندگی بسر کرتے تھے، لہٰذا انہیں اُن کے اصول اور قاعدوں کا پاس رکھنا پڑتا تھا (آیت ۲۱)۔ اسی طرح بلاوجہ کسی کے دل کو نہ دکھانا ایک مسیحی خوبی ہے۔ ہندو پاکستان جیسی سرزمین میں مسیحی بہت ہی اچھا کریں گے، اگر وہ کھانے پینے کے معاملے میں کسی کے آئینہ دل کو ٹھیس نہ لگائیں (دیکھئے رومیوں ۱۴:۱۳-۲۱)۔

تب اس تاریخی فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے یروشلیم کی کلیسیا کے نام سے ایک خط انطاکیہ کی کلیسیا کو بھیجا گیا جسے انہوں نے بہت شادمانی سے وصول کیا۔

ج۔ دوسرا تبلیغی سفر ۱۵:۳۶-۱۸:۲۲

(۱) دو گروہ نکل پڑے ۱۵:۳۶-۱۶:۵

دوسرے سفر میں پولُس نے تجویز کیا کہ ایشیائے کوچک کی نوجوان کلیسیاؤں سے دوبارہ ملا جائے تاکہ ان کو مضبوط کیا جائے اور انہیں یروشلیم کی مجلس کے فیصلوں میں شریک کیا جائے (۱۶:۴)۔ اس موقع پر پولُس اور برنباس علیحدہ علیحدہ ہو گئے کیونکہ پولُس نے یوحنا مرقس کو جس نے کہ انہیں پرگہ کے مقام پر چھوڑ دیا تھا ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ برنباس ایک نہایت ہمدرد آدمی تھا (دیکھئے ۴:۳۶؛ ۹:۲۷؛

اور اپنے ماموں زاد بھائی کو ایک اور موقع دینا چاہتا تھا ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے اُس نے خُدا کے کام کی بجائے خاندانی مفاد کو افضل جانا ہو۔ اسی قسم کی باتیں آج کل کلیسیا میں ابتری پھیلانے کا باعث بن جاتی ہیں فلیمون ۲۴ اور کلسیوں ۴: ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خلیج پُر ہو گئی اور مرقسؔ نے اپنے آپ کو ایک وفادار ایماندار ثابت کیا۔ شاید پولُسؔ سے یہ علیحدگی کڑوی گولی تھی جس نے مرقسؔ پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ بہرحال خُدا نے اسی تنازعہ پر غلبہ پایا اور اب وہ تبلیغی گروہ وجود میں آ گئے۔ اسی اثنا میں کلیسیا کی حوصلہ افزائی سے پولُسؔ کا حوصلہ بڑھ گیا اور وُہ سیلاسؔ کو ساتھ لے کر تبلیغ کے لیے چل نِکلا۔

لُسترہؔ کے مقام پر دونوں کو ایک مددگار یعنی تیمتھیسؔ مل گیا۔ نوجوان تیمتھیسؔ پولُسؔ کا نہایت وفادار اور محبُوب ساتھی ثابت ہُوا۔ تیمتھیُسؔ کی ماں اور دادی نے اُسے پُرانے عہد نامے کی تعلیم نہایت احتیاط سے دی تھی۔ چونکہ اُس کا والد غیر قوم سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا اُس کا ختنہ نہ ہُوا تھا۔ اگرچہ پولُسؔ اس نظریے کے خلاف تھا کہ ختنہ نجات کے لیے ضروری ہے، لیکن اس مصلحت کے تحت کہ سفر کے دوران اس وجہ سے یہودی اُس سے اُلجھ نہ پڑیں تیمتھیسؔ کا ختنہ کرا دیا۔ جو کلیسیائیں پہلے دورے پر قائم کی گئی تھیں ان کی ملاقات کا اصلی مقصد برنباسؔ کے کُپرسؔ جانے سے اور پولُسؔ کے ایشیائے کوچک جانے سے پُورا ہو گیا (۱۵: ۳۶)۔ پھر رُوح القدس ان کو آگے لے گیا۔

(۲) پولُسؔ فلپّی میں ۱۶: ۲-۴۰

جب پولُسؔ، سیلاسؔ اور تیمتھیسؔ افسسؔ کی جانب جا رہے تھے تو وہ خُدا کی بھیجی ہوئی رکاوٹوں سے شمال کی طرف چل دیئے حتیٰ کہ وہ ترواسؔ کی بندرگاہ پر جا پہنچے۔ یہاں لُوقا اُن سے آ مِلا اور یہ لفظ "ہم" سے معلوم ہوتا ہے (۱۶: ۱۰-۱۷)۔ یہاں رات کو پولُسؔ نے رویا دیکھی اور اُس کی بناء پر گروہ نے فیصلہ کیا کہ خُدا اُن کو یورپ میں بُلا رہا ہے۔ لہٰذا وہ ترواسؔ سے جہاز پر روانہ ہو کر نیاپُلسؔ کی طرف چل دیئے اور رُومیوں کی بستی فلپّی میں پہنچ گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلپّی میں یہُودیوں کا کوئی عبادت خانہ نہ تھا لہٰذا شاگرد ندی کے کنارے گئے جہاں یہودی اور نو مرید یہودی عبادت کے لیے جمع ہوتے تھے اِس جگہ تھواتیرہؔ شہر کی عورت لدیہؔ نے خُدا کا کلام سُنا اور خُداوند پر ایمان لے آئی۔ اِس طرح یہ عورت یورپ کی پہلی مسیحی کہلائی۔ لدیہؔ ایک خوشحال کاروباری عورت تھی۔ وُہ قرمزی کپڑا بیچتی تھی جس کے لیے تھواتیرہؔ مشہور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وُہ "خُدا پرست" تھی (کرنیلیُس کا قصہ ملاحظہ کیجئے ۱۰: ۱-۴۸)۔ لدیہؔ اور اُس کے خاندان نے بپتسمہ پایا اور پھر مبلغین کی خاطر تواضع کی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ابتدائی نو مریدوں میں سے کتنے ہی خُدا ترس اور اخلاقی طور پر نیک تھے۔ یہ بات اس حقیقت پر زور دیتی ہے کہ انسانوں کے لیے "جو روشنی انہیں ملی ہے" صرف اسی معیار تک زندگی بسر کرنا کافی نہیں، بلکہ وہ کوئی کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں انہیں مسیح کی ضرورت ہے۔

خداوند مسیح کی طاقت ایک گری ہوئی عورت تک پہنچ گئی یعنی ایک لونڈی جوان تینوں کے پیچھے گلی میں چلّانے لگی۔ وہ ان کو اس وقت ملی جب وُہ دُعا کے لیے" غالبًا اسی ندی کے کنارے دوسرے سبت جا رہے تھے اُس لونڈی میں "غیب دان رُوح تھی" (آیت ۱۶)۔ لفظی لحاظ سے اس کا مطلب ہے کہ "اس میں" پائیتھن" یعنی "اژدہا کی رُوح تھی"۔ "پائیتھنی" وہ لوگ تھے۔ جن میں ایک خیال کے مطابق اپولو دیوتا کی رُوح پھونکی جاتی تھی۔ خیال کیا جاتا تھا کہ اپولو دیوتا کی شکل ایک بڑے سانپ کی تھی۔ پاک و ہند اور کئی ایک دیگر ممالک میں آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ مستقبل کی باتیں بتانے کے لیے ان میں فوق الفطرت قوت ہے۔ کلام کے اس حصے کی اور استثنا ۱۸: ۹۔۱۴ کی رُو سے صاف ظاہر ہے کہ مسیحیوں کو ایسے لوگوں کی سرپرستی نہیں کرنی چاہیئے۔ پطرس نے لڑکی میں سے غیب دان روح کو نکال دیا۔ اس پر اس کے مالک برانگیختہ ہو گئے کیونکہ لڑکی میں سے غیب کی باتیں بتانے کی قوت زائل ہو چکی تھی جس سے ان کو بہت بڑی آمدنی ہوتی تھی۔ اپنے مالی نقصان کو انہوں نے قومی سوال بنا لیا۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حب الوطنی کے لبادے میں لالچ اور تکبّر چھپا ہُوا ہے۔ بغیر سماعت کے انہوں نے پولس اور سیلاس کو مارا کوٹا اور جیل میں ڈال دیا۔ ان پر اس لیے ہاتھ ڈالا گیا کیونکہ وُہ رہبر تھے اور غالبًا یہودی دکھائی دیتے تھے جبکہ لوقا یونانی اور تیمتھیس نیم یُونانی تھا۔

پولس اور سیلاس کے پاؤں تکلیف دہ کاٹھ میں ٹھونکے ہوئے تھے

لیکن وہ مایُوس نہ تھے۔ آدھی رات کو وہ حمد ثنا کے گیت گانے لگے دفعتہً ایک بھونچال آیا جس سے جیل خانے کے دروازے کھُل گئے اور قیدیوں کی بیڑیاں کھُل گئیں۔ داروغہ اپنے آپ کو قتل کرنے کو تھا کیونکہ وہ قیدیوں کی نگہداشت کا ذمہ دار تھا۔ پولُس نے اسی تسلّی دی کہ ان میں سے کوئی نہیں بھاگا۔ ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ داروغہ کے سوال کی تہ میں کیا تھا (آیت ۳۰) شاید قیدیوں کی رہائی کا ڈر حاکموں کا ڈر اور ساتھ ہی خدا کا ڈر بہرحال اس کو معلوم ہو گیا کہ مسیح اس دنیا میں بھی نازک موقعوں پر بچاتا ہے اور آخرت میں بھی ابدی زندگی بخشتا ہے۔ داروغہ اور اس کا خاندان خوشخبری پر ایمان لے آیا اور اُسی رات بپتسمہ لے لیا اور بہت خوشی کی۔

صبح کو منصفوں نے قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم بھیجا۔ لیکن پولُس نے اصرار کیا کہ اس کی بے گناہی علانیہ طور پر ثابت کی جائے اور لوگ جانیں کہ وہ رومی شہری ہے۔ یہ بات واضح نہیں کہ پولُس نے رُومی ہونے کا دعویٰ اس سے قبل کیوں نہ کیا۔ شاید اس نے محسوس کیا ہو کہ یہ خدا کی مرضی ہے کہ میں دُکھ اٹھاؤں۔ اس کے دکھ سہنے سے ہی ایک خاندان بچ گیا تھا۔ مجسٹریٹ ڈر گئے کیونکہ رومی شہری ہر قسم کی ہتک آمیز سزاؤں سے مستثنیٰ تھے۔ بڑی عزت کے ساتھ جیل خانے سے رہا کرنے کے لیے وہ بذاتِ خود آئے اور شہر چھوڑ دینے کے لیے منت کی۔ ایمانداروں کی چھوٹی سی ٹولی کو جو کہ لُدیہ کے گھر میں تھی الوداع کہہ کر اور لُوقا اور تیمتھیس کو پیچھے چھوڑ کر وہ روانہ ہو گئے۔

(۳) تھسلنیکے اور بیریہ میں ۱:۱۷-۱۵

پولس اور سیلاس تھسلنیکے کے جنوب مغرب کی طرف رومی شاہراہ پر ننّو میل چلے گئے۔ یہ مقدونیہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اب اس کو سیلونیکا کہتے ہیں۔ پولس تین سبت تک عبادت خانوں میں منادی کرتا رہا اور پرانے عہد نامے سے بتاتا رہا کہ ضرور تھا کہ مسیح دکھ اٹھائے، مرے اور پھر جی اٹھے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد ایمان لائی۔ ان میں کثیر تعداد یونانی "خدا پرست" تھے (آیت ۴) اور کچھ بت پرست بھی تھے (۱ تھسلنیکیوں ۱: ۹)۔ پولس اپنے گزارے کے لیے کام کرتا تھا (۱ تھسلنیکیوں ۱: ۹ ؛ ۲ - تھسلنیکیوں ۳: ۷-۹) اُسے فلپّی سے بھی مدد ملی (فلپیوں ۴: ۱۵-۱۶)۔ ہوسکتا ہے کہ تمیتھیس ان تحائف کے لانے والوں میں سے ایک ہو۔

یہودیوں نے جو پولس کے پیغام سے نفرت کرتے تھے بلوا کر دیا۔ جب شاگردوں کو نہ پایا تو ان کے میزبان یاسون کو کھینچ کر حاکموں کے سامنے لے گئے اور اس پر الزام لگایا کہ وہ ایسے آدمیوں کو پناہ دیئے ہوئے ہے جو بغاوت پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ کوئی اور ہی شخص یسوع ہے۔ یاسون کو زرِ ضمانت جمع کرانی پڑی کہ اس کے مہمان پھر نقصِ امن کا موجب نہ بنیں گے۔ اس موقع پر اور منادی کرنا نااندیشی ہوتی لہٰذا پولس، سیلاس اور تمیتھیس راتوں رات پچاس میل دور بیریہ کو چلے گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ بیریہ کے یہودی تھسلنیکے کے یہودیوں سے "نیک ذات تھے"۔ اس کا لفظی مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ کشادہ دل تھے۔ انہوں نے کلام کو شوق اور دیانت داری سے سُنا اور مسیحی تعلیم کی پرانے عہد نامے کی روشنی میں جانچ پڑتال کی چونکہ یہاں تھسلنیکے کے یہودی آپہنچے تھے اور لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کر دیا۔ اس لیے پولس یہاں سے رخصت ہوا اور اتھینے چلا گیا جو وہاں سے تین سو میل دور تھا۔

(۴) پولس اتھینے میں ۱۷: ۱۶-۳۴

اتھینے یونانیوں اور رومیوں کا علمی اور دینی مرکز تھا۔ اس شہر نے دنیا کے بہت سے نامور فلسفی پیدا کئے تھے۔ لیکن پولس اس شہر کی شان و شوکت سے متاثر نہ ہُوا۔ جب وہ شہر میں سے گزر رہا تھا تو تیس[۳۰] ہزار سے زاید دیویوں اور دیوتاؤں کے بُت دیکھ کر اسے سخت رنج ہوا ان تیس ہزار کے علاوہ بے شمار بُت لوگوں کے گھروں میں بھی موجود تھے۔ یہ مثل مشہور تھی کہ اتھینے میں کسی شخص کو تلاش کرنے کی نسبت ایک دیوتا تلاش کرنا آسان ہے۔

پولس نے عبادت خانوں میں یہودیوں اور غیر اقوام سے اور شہر کے چوکوں میں ادھر اُدھر چلنے پھرنے والوں سے گفتگو کی۔ فلسفیوں نے چوک میں پولس سے بہت بحث مباحثہ کیا۔ ایکوری خدا کی ہستی کے منکر تھے اور مستقبل کی زندگی پر اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ عیش و نشاط اور خوشی ہی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ وہ کہتے تھے

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

"کھاؤ پیو، کل تو مر ہی جانا ہے۔" وہ اس زمانے کے مادہ پرست تھے۔ سطوئیکی ہمہ اوست کے قائل تھے۔ ان کی تعلیم تھی کہ خدا ایک ایسی قوت ہے جو ہر شے میں رچی ہوئی ہے۔ اُسے وہ عقل کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ وہ یہ تعلیم دیتے تھے کہ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ عقل کے اصولوں کے مطابق ڈھل جائے، اور یہ ہم آہنگی حاصل کرنے کے لیے حسیات عقل کے تحت ہو جانی چاہیئے۔ لہٰذا سطوئیکی اور درد سے بے نیازی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ نتیجتاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اپکوری تعلیم کے مطابق انجیل کی مخالفت عشرت کی آرزو کی بنا پر کی جاتی تھی اور سطوئیکی نظریہ سے اپنی نظر میں راستبازی اور دماغی افتخار کی وجہ سے مخالفت ہوتی تھی۔

غیر معبودوں کی خبر دینے والا آیت ۱۸۔

رومی حکومت نے اپنی عملداری میں تمام مروّجہ مذہبوں کو قانونی طور پر تسلیم کر رکھا تھا لیکن نئے مذہب کو رائج کرنے کی ممانعت تھی۔ خاص طور پر وہ کسی ایسے دیوتا کے مخالف تھے جس کے نام پر کوئی عالمگیر دعویٰ کیا جائے۔ یونانی باوجود بے شمار دیوتاؤں پر ایمان رکھنے کے غیر مرئی سچائی کے پرستار تھے۔ جب پولُس نے یسوع مسیح اور قیامت کا ذکر کیا تو انہوں نے خیال کیا کہ وہ کسی نئے دیوتا کے بارے میں بتا رہا ہے۔ اس کے عقیدے کے بارے میں تسلی کرنے کے لیے وہ اُسے اریوپگس کی عدالت میں لے گئے جو ان ایام میں پبلک میں تقریر کرنے کے لیے لائسنس

دینے پر مقرر تھا۔

مہذب منصفوں نے پولُس اچھی طرح خطاب کیا اور اُس نے بھی شائستگی سے جواب دیا۔ ان غیر اقوام کے سامنے پولُس نے زندہ خدا کو بڑی ہوشیاری اور چابکدستی سے پیش کیا جبکہ عبادت خانوں میں تو اُس کا موضوع ہمیشہ یہی رہا کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ دیباچے کے طور پر پولُس ایک قربان گاہ کا حوالہ دیتا ہے جو کہ "نامعلوم خدا کے لیے" تھی۔ وہ اس اعتراف کو استعمال کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ایسی بزرگ ہستی ہے جس کا اتھینے کے لوگوں کو علم ہے۔ وہ اُس ہستی کو خدا بیان کرتا ہے جو ان کی فہرست میں سے رہ گیا تھا اور یوں ان کے اس اعتراض کو کہ "یہ غیر معبودوں کی خبر دینے والا معلوم ہوتا ہے" رد کر دیتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے متعلق بعض لوگ پولوس پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ انجیل کا سیدھا سادہ پیغام چھوڑ کر فلسفے پر اُتر آیا۔ لیکن حقیقت میں ایسے الزام کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ وہ پہلے "نامعلوم خدا" کی قربان گاہ کا حوالہ دے کر اتھینیوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے، اور پھر ان کو بتاتا ہے کہ "وہ نامعلوم خدا" ہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اب وہ چاہتا ہے کہ ہر کوئی توبہ کرے۔ اس نے ظاہر کر دیا ہے کہ عدالت کا ایک دن مقرر ہے اور خداوند یسوع مسیح منصف ہوگا۔ پولُس نے اہم بنیادی اصول پیش کئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُسے اور بہت کچھ کہنا تھا کہ اُسے روک دیا گیا۔ پولُس رسول نے

انسانی تواریخ میں خدا کے مرتبے اور قدرت کی ایک زبردست حقیقت بیان کی ہے۔

"ایک ہی اصل سے" کا مطلب ہے کہ تمام اقوام ایک ہی انسان کی اولاد ہیں۔ پولس اتھینیوں کے اس اعتقاد کی کہ وہ اتھینے کی سرزمین سے پیدا ہوئے ہیں تردید کرتا ہے۔ پولس کا یہ بیان ہندوؤں کے اعتقاد کی تردید کرتا ہے جو یہ مانتے ہیں کہ مختلف ذاتیں پرمیشور کے مختلف حصوں سے پیدا کی گئی ہیں۔ "اور ان کی میعادیں اور سکونت کی حدیں مقرر کیں" (آیت ۲۶)۔ سطوئیکی مسئلہ قسمت کے برعکس انسان کی فعل مختاری سلب کئے بغیر خدا انسانی تواریخ اور قوموں کی تقدیر کا مختار ہے (مقابلہ کیجئے ایوب ۱۲: ۱۳)۔ "تاکہ خدا کو ڈھونڈیں" (آیت ۲۷)۔ اور خدا سے منحرف نہ ہو جائیں جیسے کہ قوموں نے کیا ہے (رومیوں ۱: ۱۸-۳۲)۔ "جہالت کے وقتوں سے" (آیت ۳۰)۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تک کہ یسوع مسیح کے وسیلے سے پورا پورا عرفان نہ ہوا تھا۔ "چشم پوشی کر کے" یعنی بغیر سزا دیئے صبر کر کے نظرانداز کیا۔ لیکن اس کا مطلب صاف کرنا نہیں ہے۔ خدا نے شرک کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور اب چونکہ یسوع مسیح نے خدا کا پورا پورا اظہار کر دیا ہے، لہٰذا وہ خدا کے نظریے کو صاف کر دیتا ہے اور توبہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

"مُردوں کی قیامت":۔

بہت سے یونانیوں کا ایمان تھا کہ انسان کے مرنے کے بعد اُس کی

روح زندہ رہتی ہے۔ لیکن کچھ (غالباً اپکوری) لوگوں نے جب مردوں کی قیامت کے بارے میں سنا تو ٹھٹھا مارنے لگے۔ آج کل بھی بہت سے ہندوؤں کے لیے یہ ماننا دشوار ہے کہ جلائی ہوئی نعشیں دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کا اعتقاد آواگون کے مسئلے کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ جو لوگ مردوں کی قیامت کے بارے میں نہیں سننا چاہتے تھے، انہوں نے مودبانہ طریقے سے پولس کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "یہ بات ہم تجھ سے پھر کبھی سنیں گے"۔ لیکن اتھینے میں چند آدمی ایمان لے آئے۔ ایمان لانے والوں میں سے ایک دیونسی لیس جو کہ اریوپگس کے بارہ ججوں میں سے ایک تھا۔ اور ایک امیر عورت بنام دمرس اور کچھ اور تھے۔ مورخ یوسیبئس راوی ہے کہ بعدازاں دیونسی لیس اتھینے کی کلیسیا کا بشپ بن گیا تھا۔ پولس پھر کبھی اس شہر کو واپس نہ لوٹا۔

(۵) پولس کرنتھس میں اور انطاکیہ کو واپسی ۱۸: ۱-۱۷

پولس اتھینے سے پچاس میل دور کرنتھس کو چلا گیا جو رومی صوبے اخیہ کا صدر مقام تھا۔ یہ ایک بہت بڑا تجارتی شہر تھا اور ایشیا اور روم کے تجارتی راستوں کے مرکز پر واقع تھا۔ یہ عیش و عشرت کے لیے مشہور تھا اور یہاں کے مندر میں ایک ہزار رنڈیاں تھیں۔ کرنتھس اتنا بدنام تھا کہ اس کا نام ہی بداخلاقی کا اظہار کر دیتا تھا۔

پولس رسول کو یہاں اکولہ اور اُس کی بیوی پرسکلہ ملے۔ ۴۹ء میں

انہیں روم چھوڑنا پڑا، کیونکہ کلودیس بادشاہ نے یہودیوں کو رومہ سے بدر کر دیا تھا۔ مورخ سیوتونیس بیان کرتا ہے کہ یہ فرمان اس وجہ سے جاری کیا گیا کہ یہاں ایک بغاوت برپا ہوئی جس میں ایک شخص کرسٹس ملوث تھا۔ ممکن ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ رومہ میں مسیحی یہودیوں اور غیر مسیحی یہودیوں کے درمیان جھگڑے تھے۔ دونوں خیمہ دوز تھے اور پولس اپنے گزارے کے لیے ان کے ساتھ کام کرتا تھا اور سبت کو عبادت خانوں میں منادی کرتا تھا۔ پاک و ہند کے مبشروں کو بھی پولس رسول کا نمونہ لینا چاہیئے۔ جب سیلاس اور تیمتھیس مکدنیہ سے تحائف لے کر آئے تو پولس خیمہ دوزی سے فارغ ہو گیا اور زیادہ سرگرمی سے بشارت دینے لگا۔ (آیت ۵، مقابلہ کیجئے ا۔تھسلنیکیوں ۳: ۶-۷؛ ۲۔کرنتھیوں ۱۱: ۹؛ فلپیوں ۴: ۱۵)۔ یہودیوں نے اتنی سخت مخالفت کی کہ پولس نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنی تمام کوششیں غیر اقوام پر مرکوز کر دیگا۔ اُس نے یہودیوں کو جتا دیا کہ "تمہارا خون تمہاری ہی گردن پر" (مقابلہ کیجئے حزقی ایل ۳: ۱۷-۲۱؛ ۳۳: ۱-۹)۔ اُس نے بتا دیا کہ ان کی رُوحوں کے بارے میں اب اُس کی ذمہ داری نہیں رہی۔ پھر اس نے ایک "خدا پرست" شخص طِطِس یوسطیس کے گھر رہ کر اپنی خدمت جاری رکھی جس کا گھر عبادت خانے کے ساتھ تھا۔

پولس منادی کرتا رہا اور بہت سے ایمان لے آئے۔ جن میں عبادت خانے کا سردار کرسپس بھی شامل تھا (ا۔کرنتھیوں ۱: ۱۴)۔ خداوند نے پولس کو

ایک رویا دکھائی اور اس کی حوصلہ افزائی کی کہ نڈر ہو کر اپنا کام جاری رکھے۔ یہ الفاظ کہ "اس شہر میں میرے بہت سے لوگ ہیں (آیت ۱۰) برگزیدوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کے بارے میں یسوع مسیح کہتا ہے کہ پہلے ہی سے میرے ہیں کیونکہ وہ ایمان لانے کو تھے (مقابلہ کیجئے ۱۳: ۴۸)۔ پولس وہاں ڈیڑھ سال تک رہا۔ اس کے بارے میں مختلف خیال ہیں کہ آیا یہ ڈیڑھ سال کا عرصہ صرف اسی موقع سے متعلق ہے یا پولس کے کرنتھس میں مختلف موقعوں پر ٹھہرنے کی کل میعاد ہے۔ یہ عرصہ کم از کم ۵۰ء کے موسم خزاں سے لے کر ۵۲ء کے ستمبر تک تھا۔ جب پولس کرنتھس میں تھا تو اس نے تھسلنیکیوں کو خط لکھا، لہٰذا اس کا سن تحریر ۵۲ء ہو سکتا ہے۔

پولس کی کامیابی سے برانگیختہ ہو کر یہودیوں نے اُسے پکڑ کر ضلع کے مجسٹریٹ بنام گلیو کے پیش کر دیا اور کہا کہ "یہ شخص لوگوں کو شریعت کے برخلاف خدا کی پرستش کرنے کی ترغیب دیتا ہے" (آیت ۱۳)۔ اس میں شک نہیں کہ پولس ایک ایسے عقیدے کی اشاعت کر رہا تھا جس کی رومی قانون اجازت نہ دیتا تھا۔ گلیو کا جواب تھا کہ یہودیوں کے الزام یہودی شریعت کے متعلق ہیں نہ کہ رومی قانون کے بارے میں۔ اُس کا خیال تھا کہ مسیحیت ایک یہودی قسم کا مذہب ہے اس لیے یہ رومی قانون کے خلاف نہیں۔ ایک اعلیٰ مرتبے کے رومی حاکم کے اس فیصلے نے ایک ایسی مثال قائم کر دی جس سے پولس کو دس اہم سال تک محافظت حاصل ہو گئی۔ جب ۶۲ء میں پولس کی پیشی خود شہنشاہ نیرو کے سامنے ہوئی، تو پھر ہی حکومت کے نوٹس میں آیا

کہ مسیحیت کو یہودیت سے علیحدہ تصور کیا جانا چاہیئے۔ گلیو نے اخیہ پر ۵۱ء سے ۵۲ء تک حکومت کی۔ رومی مورخ کہتے ہیں کہ وہ مہذب اور شائستہ شخص تھا۔ چونکہ پولُس رسول کے خلاف یہودیوں کا الزام ثابت نہ ہو سکا، لہذا غیر اقوام کی بھیڑ نے غصے میں آکر عبادت خانے کے سردار سوستھینس کو جس کی تعیناتی کرسپس کی جگہ ہوئی تھی مارا۔ جب سوستھینس کو مار پڑ رہی تھی جس کا وہ مستحق تھا تو گلیو نے اپنا مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وُہ دن بھی آیا کہ سوستھینس ایمان لے آیا۔ (دیکھئے ا۔کرنتھیوں ۱:۱)۔

لُوقا پولُس کا کرنتھس سے پرسکلہ اور اکولہ کے ساتھ الوداع اور اِفسس اور قیصریہ سے ہوتے ہوئے انطاکیہ اور یروشلیم کو جانے کا مختصر سا حال بتاتا ہے۔ کنخریہ میں جو کہ کرنتھس کے مشرق کی طرف بندرگاہ ہے، پولُس نے اپنا سر منڈایا کیونکہ اُس نے منت مان رکھی تھی اور غالباً یہ منت اِفسس کے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کی شکرگزاری کے باعث تھی۔ پولُس بحیثیت یہودی ہونے کے شرعی رسم و رواج کا پابند تھا لیکن اُس نے یہ رسم و رواج غیر اقوام پر ٹھونسنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے پرسکلہ اور اکولہ کو اِفسس میں چھوڑ دیا اور جہاز پر سوار ہو کر قیصریہ کو روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر یروشلیم کی کلیسیا کے پاس گیا اور پھر انطاکیہ بشارتی کلیسیا کی طرف چلا گیا۔

د۔ پولُس کا تیسرا البشارتی سفر ۱۸:۲۳ - ۲۱:۱۶

۱۔ اپلوس۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کا شاگرد ۱۸:۲۳ - ۱۹:۷

پولُس کے تیسرے بشارتی سفر کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ اِفسس میں تین سال تک ٹھہرا (اعمال ۲۰: ۳۱؛ مقابلہ کیجئے ۱۹: ۸، ۱۰، ۲۲)۔ اِفسس آسیہ کے صوبے کا دارالخلافہ تھا۔ غالباً یہ عرصہ موسم خزاں ۵۲ء سے لے کر ۵۵ء کے موسم بہار تک کا تھا۔ اِفسس کی راہ میں اس کے گلتیہ اور فروگیہ کی کلیسیاؤں میں دورے کے بارے میں تفصیل نہیں دی گئی۔

پولُس کے مختصر سے دورے جس کا ذکر ۱۸: ۱۹ میں پایا جاتا ہے اور ڈیڑھ سال بعد کے دورے کے درمیان ایک یہودی عالم بنام اپلوس جو کہ مصر کے اسکندریہ کا تھا اس شہر میں آیا تھا۔ اپلوس نے عبادت خانوں میں بڑے زور شور سے منادی کی کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کے بارے میں اتنا ہی جانتا تھا جتنا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا جانتا تھا۔ لہذا پرسکلہ اور اکولہ نے اپلوس کو مسیح کی موت قیامت اور روح القدس کے نزول کے بارے میں شخصی طور پر تعلیم دی۔ اب جبکہ اپلوس نے معلوم کر لیا کہ اُس کے پیغام میں کلام کی نئی باتوں کی ضرورت ہے تو شاید اُس نے اپنی خدمت اُس جگہ جاری رکھنا مشکل محسوس کیا۔ لہذا وہ کرنتھس چلا گیا اور وہاں کے مسیحیوں کے لیے ایک زبردست مددگار ثابت ہُوا (مقابلہ کیجئے ا۔کرنتھیوں ۳: ۶)۔

نئے عہد نامے میں چھ دفعہ اکولہ اور پرسکلہ کا ذکر آیا ہے اور چار دفعہ بیوی کا نام پہلے آتا ہے۔ مسیحی دور کی ابتدائی صدیوں کے مورخوں اور مبشروں نے پرسکلہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اُن میں سے ایک نے تو یہاں تک کہہ

دیا کہ وہ اپلوس کی واحد معلّمہ تھی۔

اپلوس کے چلے جانے کے بعد پولس افسس آگیا یہاں اُس کو بارہ آدمی ایسے ملے جن کو مسیح اور رُوح القدس کے بارے میں مکمل تعلیم نہیں ملی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بارہ اپلوس کی ابتدائی تعلیم کا نتیجہ تھے۔ جب پولس نے انہیں تعلیم دی اور انہوں نے بپتسمہ لیا تو انہیں رُوح القدس کا عجیب انعام مل گیا۔ اعمال میں یہ آخری دفعہ ہے جب کہ "زبانوں" کا ذکر پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ کلام ہر ایک قوم تک پہنچ چکا تھا یہودیوں تک پنتکُست کے دن اور سامریوں یعنی نیم یہودیوں تک اور غیر اقوام تک کرنیلیس کے گھر اور بالآخر اپلوس کے ذریعے ان شاگردوں تک جو یوحنا بپتسمہ دینے والے کے تھے، ظاہری نشانوں سے خدا نے واضح کر دیا کہ ان گروہوں میں سے جو کوئی بھی مسیح پر ایمان لاتا ہے خدا اس کو قبول کرتا ہے۔

(۲،۱) افسس میں پولس کی خدمت ۱۹: ۸-۴۱

اپنے معمول کے مطابق پولس نے پہلے عبادت خانے میں تعلیم دی لیکن جب مخالفت ہونے لگی تو اُس نے اپنی خدمت کا مرکز "ترنس کے مدرسہ میں" تبدیل کر لیا۔ ایک پُرانے نوشتے میں ذکر آتا ہے کہ پولس اس جگہ ہر روز صبح گیارہ بجے سے لے کر شام کے چار بجے تک وعظ کرتا تھا۔ یہاں بہت کام ہُوا جو گرد و نواح کے علاقے میں بھی پھیل گیا۔ گمانِ غالب ہے کہ سات کلیسیائیں جن کو مکاشفہ ۱: ۱۱ میں مخاطب کیا گیا ہے اور جو کلسّے اور ہیراپلس

میں تھیں۔ اسی زمانہ میں قائم کی گئی تھیں (کلسیوں ۴: ۱۳)۔

خدا نے پولس کی معرفت عجیب و غریب معجزے کئے۔ جس کی وجہ سے سکوا کے بیٹوں سے جو جھاڑ پھونک کرتے تھے جھگڑا ہو گیا، حالانکہ موسوی شریعت میں جادوگری کی سخت ممانعت ہے (استثنا ۱۸: ۹-۱۴)۔ یاد رہے کہ یسوع مسیح کے نام کا استعمال انہیں اشخاص کے لئے مخصوص ہے جو اس کے اختیار کے تابع ہیں۔ خداوند مسیح کی طاقت کی فتح اور جھوٹے جادوگروں کی بے نقابی کا ان شہروں میں جہاں جادوگری اور جھاڑ پھونک کا دَور دورہ تھا بہت بڑا اثر ہُوا۔ ان جگہوں میں کچھ ایماندار بھی تھے جو جادوگری پر اعتقاد رکھتے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے پولس کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ جھاڑ پھونک کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد نے اپنے قبیح کاموں کو ترک کر دیا اور ان تمام کتابوں کو جن میں ان کے فارمولے اور منتر لکھے ہوئے تھے جلا دیا اگر کوئی آگ تمام گندہ اور مکروہ لٹریچر جلا دے تو یہ کتنی اچھی اور صاف کن آگ ہوگی۔

ایک دوسرا واقعہ جو ظاہر کرتا تھا کہ خوشخبری کتنی کامیابی سے پھیل رہی تھی وہ سُناروں کی گڑبڑ تھی۔ افسس ارتمس کی دیوی کی پرستش کا مرکز تھا۔ اس کا مندر قدیم زمانے کے سات عجائبات میں سے ایک تھا۔ اسکی قربان گاہیں کم از کم تیس مقاموں پر موجود تھیں۔ سناروں کو ارتمس کی دیوی کے مجسموں کی بکری سے خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ ان کو اس بات سے بڑی تشویش ہوئی کہ لوگوں کی کافی تعداد ارتمس کو چھوڑ کر یسوع مسیح کی پیروکار بنتی جا رہی ہے۔ ان کے ایک لیڈر

بنام دیمتریس نے بلوا کر دیا۔ بھیڑ پولس کے دو ساتھیوں کو پکڑ کر تماشاہ گاہ کی طرف لے گئی۔ اس تماشا گاہ کی کھدائی کی گئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ یہ اتنی وسیع تھی کہ اس میں ۲۵ ہزار نفوس سما سکتے ہیں جب ایک یہودی بنام سکندر نے بولنے کی کوشش کی اور شاید وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس میں یہودیوں کا کوئی قصور نہیں تو بھیڑ نے ایک نہ سنی وہ دو گھنٹے تک چلاتے رہے کہ "افسیوں کی ارتمس بڑی ہے"۔ بالآخر شہر کے محرر کو فکر ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بلوے کے باعث رومی حکومت ان پر تاوان لگا دے۔ چنانچہ اس نے بھیڑ کو برخاست کر دیا۔ اور گھر بھیج دیا۔ شاید وہ پتھر (آیت ۳۵) جو ادہام پرست افسیوں کے خیال کے مطابق رومیوں کے سب سے بڑے دیوتا زیوس نے بھیجا تھا، اس کی شکل دیوی سے ملتی تھی۔

(۳) پولس کا یونان کو جانا ۲۰: ۱-۱۶

پولس کی زبردست خواہش تھی کہ رومہ میں منادی کرے ۱۹: ۲۱ اور رومیوں ۱۵: ۲۳-۲۸ کے مطابق پولس نے قصد کیا تھا کہ مکدنیہ کی غیر یہودی کلیسیاؤں کے تحائف لے کر یروشلیم جائے گا اور پھر وہاں سے رومہ اور اسفانیہ جائے گا۔ افسس کو چھوڑ کر وہ دوبارہ مکدنیہ اور اخیہ (یونان) کی کلیسیاؤں کے پاس گیا۔ لوقا جس کام کا نچوڑ دوسری آیت میں پیش کرتا ہے جیسے کہ ۲ کرنتھیوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ شاید وہ سال بھر کی خدمت تھی۔ دوسرا کرنتھیوں شاید ۵۶ء میں مکدنیہ سے لکھا

گیا تھا۔ اس عرصہ میں اس نے الرکم (موجودہ البانیہ) اور یوگوسلاویہ کا سفر کیا اور وہاں منادی کی (رومیوں ۱۵: ۱۹) تیسری آیت کے "تین مہینے" زیادہ تر کرنتھس میں گزارے گئے جہاں سے اس نے رومیوں کو خط لکھا۔ یہ ۵۷ء کا واقعہ ہے۔ یہودیوں کی سازشوں نے پولس کو سمندر کے راستے سوریہ کے تیز رفتار دورہ کرنے کی تجویز کو ترک کرنے پر مجبور کر دیا لہٰذا وہ چکر کاٹ کر مکدنیہ کے راستے آسیہ کو گیا۔ چھٹی آیت کا جمع کا صیغہ "ہم" ظاہر کرتا ہے کہ لوقا بھی فلپی کے مقام پر پولس سے آملتا ہے۔ اس سے پہلے وہ اس جگہ سے اُس سے جدا ہوا تھا (دیکھئے ۱۶: ۴۰)۔ پولس نے انتظام کر رکھا تھا کہ یروشلیم کی کلیسیا کے غربا کے لیے چندے لیے جائیں اور وہ تروآس کے مقام پر اُس وفد سے مل گیا جو چندہ پیش کرنے والا تھا۔

ساتویں آیت: ہم دیکھتے ہیں کہ کلام میں پہلی مرتبہ ذکر آیا ہے کہ تروآس کے مقام پر ہفتے کے پہلے دن عبادت ہوئی۔ ا کرنتھیوں ۱۶: ۲ میں بھی اس رسم کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ پولس رسول کے طویل الوداعی وعظ کے دوران جو کہ وہ مکان کی تیسری منزل میں ایمانداروں کے سامنے کر رہا تھا، ایک نوجوان بنام یوتخس جس پر نیند کا غلبہ آگیا تھا، کھڑکی سے گر پڑا۔

پولس رسول کے اپنے الفاظ کی روشنی میں کہ "اس میں جان ہے" اس امر پر اختلاف رائے پائی جاتی ہے کہ آیا نوجوان مر گیا تھا یا صرف

بے ہوش تھا۔ لوگوں نے واقعی خیال کیا کہ وہ مر چکا ہے اور لوقا طبیب
بھی اس رائے سے متفق ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ "اٹھایا گیا تو مردہ تھا"
(آیت ۹)۔ پولس کے الفاظ کا کیا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ مر تو گیا
تھا لیکن جب پولس رسول "اس سے لپٹ گیا اور گلے لگایا"۔ تو اس
میں جان دوبارہ آگئی۔ اگر وہ مر نہ جاتا اور دوبارہ زندہ نہ ہوتا تو آیت
۱۲ کے الفاظ کہ "وہ اس لڑکے کو جیتا لائے" کے کچھ معنے نہ ہوتے۔
خیال فرمائیے کہ وہ ایماندار روحانی باتوں کے کتنے بھوکے تھے اور پولس
انہیں خدا کی باتوں میں شریک کرنے کا کتنا مشتاق تھا۔ عشائے ربانی
میں شریک ہو کر وہ اُن سے پو پھٹنے تک باتیں کرتا رہا۔ جب اس کے
ساتھی اسُس کو جہاز پر روانہ ہو گئے تو پولس رومی حکومت کی بنائی ہوئی
پکی سڑک پر پیدل روانہ ہو گیا تاکہ اسس پہنچ کر جو وہاں سے ۲۰ میل دور تھا
جہاز پر سوار ہو۔ شاید اس پیدل سفر کا مطلب یہ تھا کہ وہ راستے کی تنہائی
سے لطف اندوز ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یروشلیم کو عید
پنتکست پر پہنچنے کے لیے پولس نے جہاز کرایہ پر لے رکھا تھا۔ یہی
وجہ تھی کہ وہ بڑے شہر افسس کے پاس سے گزرتے ہوئے میلیتس کو
چلے گئے۔

(۴) افسس کے ایلڈروں کو الوداع ۲۰: ۱۷-۳۸

میلیتس سے پولس نے افسس کی کلیسیا کے ایلڈروں کو بلایا جو کہ

تیس میل دور تھے۔ ابتدائی کلیسیا میں صرف دو عہدے تھے۔ ایلڈر
(بشپ) اور ڈیکن (فلپیوں ۱:۱)۔ "ایلڈر" اور "بشپ" کے الفاظ ایک
دوسرے کی جگہ ایک ہی شخص کے لیے استعمال ہوئے ہیں (دیکھئے آیات
۱۷ اور ۲۸ اور ططس ۱: ۵-۷)۔ اعمال کی کتاب میں پولس کا یہی وعظ
درج ہے جو اس نے مسیحیوں کے سامنے کیا اور یہ وعظ مہر و محبت سے
لبریز ہے۔ ان لوگوں کے مابین پولس نے قریباً تین سال خدمت کی تھی۔
اس خدمت کے وسیلے سے وہ ان کو انجیل کی روشنی میں لایا اور انہیں
سکھانے اور بشارت دینے کی تربیت دی۔ اس کا خیال تھا کہ میں ان
سے پھر کبھی نہیں ملوں گا۔ ظاہراً پولس رسول کے احساسات اور غرض و
غایت اگرچہ انسانی معیار کے تھے، تاہم کسی حد تک وہ یسوع مسیح
کے جذبات، احساس اور غرض و مقاصد سے جو کہ بالا خانے کے بیان
میں ملتے ہیں مشابہت رکھتے ہیں۔

پولس نے ایلڈروں کو الوداع کہنے کے لیے بلایا۔ لیکن بڑا مقصد یہ تھا
وہ انہیں اس کلیسیا کے ساتھ جو ان کے سپرد کی جا رہی تھی وفادار رہنے کی
تلقین کرے۔ اس نے انہیں اپنی ذہنی انکساری آزمائشوں میں صبر اور ہر قوم
اور فرقے کو علانیہ اور شخصی طور پر مکمل خوشخبری دینے کے بارے میں یاد
دلایا۔ اس کے پیغام کا لب لباب یہ تھا کہ "خدا کے سامنے توبہ کرنا اور
ہمارے خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانا چاہیئے" (آیت ۲۱)۔
پولس رسول اعلان کرتا ہے کہ "میں روح میں بندھا ہوا" یروشلیم کو

جا رہا ہوں۔ اُسے خوب علم تھا کہ وہاں قید اور مصیبتیں اس کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ اور جب وہ یروشلیم کے زیادہ نزدیک پہنچا تو رُوح القدس نے اسے ایک اور تنبیہہ کی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باوجود رُوح القدس کی آگاہی کے (اعمال ۲۱ : ۴، ۱۱) پولُس کا یروشلیم جانا اس امر کے مترادف تھا کہ اس نے اپنے لوگوں یعنی یہودیوں کی بے انداز محبت کی خاطر اپنے سپرد شدہ کام یعنی غیر قوموں کے رسول ہونے کو نظر انداز کر دیا اور اس کی یروشلیم کو جانے کی ضد اُس کی قید کا سبب ٹھہری۔ ہم کبھی بھی یقین نہیں کر سکتے کہ پولُس رسول جو کہ قریباً تیس سال مسیح کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا دیدہ دانستہ رُوحُ القدس کی نافرمانی کرتا۔ لیکن ہمیں جاننا چاہیئے کہ بحیثیت خاکی انسان ممکن ہے۔ اس نے رُوحُ القدس کی آگاہیوں کی غلط تفسیر کی ہو اور اپنے فیصلے میں اپنی قوم کی دوبارہ خدمت کرنے کی تڑپ کا شکار ہو گیا ہو۔ رُوحُ القدس کی آگاہیوں کا شاید یہ مقصد تھا کہ پولُس کو پہلے سے تیار کر دے کہ اُسے کن کن مصیبتوں کا سامنا کرنا ہے۔ لیکن اُسے یروشلیم جانے سے روکنا مقصود نہ تھا۔

بہرکیف اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق رائے نہیں ہے لہٰذا ہم اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں ہم جو ادنیٰ درجے کے شاگرد ہیں۔ ہمارے لیے یہ حوصلہ افزا بات ہے کہ بائبل مُقدس کے مذکورہ بالا اشخاص جو کہ خُدا کے بہت بڑے خادم تھے، اگرچہ کامل نہ تھے۔ پھر بھی خُدا نے انہیں استعمال کیا۔ اگرچہ پولُس کو یروشلیم جانے میں غلطی لگی۔ لیکن پھر بھی خُدا

تعالیٰ ہی کا بول بالا ہوا اور اُس نے اپنے نام کو جلال دیا۔ کیونکہ پولُس نے اپنی قید کے دوران "حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے" گواہی دی اور یوں اس کے ساتھی لُوقا کو جو اُن کے نزدیک ہی رہتا تھا وقت اور موقع مل گیا کہ اپنی انجیل اور اعمال کو تحریر میں لانے کے لیے مفید مواد فراہم کرے۔

پولُس کا بلند حوصلگی کا بیان جو کہ ۲۴ ویں آیت میں پایا جاتا ہے شاہد ہے کہ اُسے کم از کم یہ خیال تھا کہ یروشلیم کو جانا خُداوند کی مرضی کے مطابق تھا۔ پھر وہ ایلڈروں کو تلقین کرتا ہے کہ کلیسیا کی پرورش کریں اور جھوٹے اُستادوں سے خبردار رہیں (آیات ۲۸ - ۳۰)۔ پھر وہ اُن سے کہتا ہے کہ وہ خُداوند اور اس کے کلام پر بھروسہ رکھیں (آیت ۳۲)۔ آخر میں پولُس بے غرض محبت کی ہدایت کرتا ہے اور افسس میں جو محنت اُس نے کی ہے اُسے یاد دلاتا ہے (آیت ۳۴ مقابلہ کیجئے ۱۔کرنتھیوں ۹ : ۱۵؛ ۲۔کرنتھیوں ۱۱ : ۷؛ ۱۔تھسلنیکیوں ۲ : ۹؛ ۲۔تھسلنیکیوں ۳ : ۷)۔ کلام کو ختم کرتے ہوئے رسول حوالہ دیتا ہے کہ "دینا لینے سے مبارک ہے" اور ان الفاظ کو خُداوند مسیح سے منسوب کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خُداوند کے فرمودات کا مجموعہ موجود تھا (یوحنا ۲۱ : ۲۵)۔ کیونکہ یہ الفاظ چاروں اناجیل میں کسی میں بھی نہیں لیکن ان کا مطلب موجود ہے۔ پولُس نے انہیوں کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اُن کا انتہائی رنج وغم اس بات پر کہ شاید وہ ان کا منہ پھر نہ دیکھے آیات ۳۷، ۳۸ سے عیاں ہوتا ہے۔

(۵) میلیتُس سے قیصریہ کو ۲۱ : ۱-۱۶

واپسی سفر پر پولس اور اس کے ہمراہی صور، پتلمیس اور قیصریہ میں ٹھہرے صور میں بھی پولس کو آگاہ کیا گیا کہ وہ یروشلیم کو نہ جائے۔ قیصریہ میں ہم فلپس سے جسے بیس سال ہوئے چھوڑا تھا ملتے ہیں۔ اس کی چار بیٹیاں تھیں جنہیں نبوت کی نعمت ملی ہوئی تھی (مقابلہ کیجئے ۲: ۱۷)۔ کلام میں جب نبوت کا لفظ آتا ہے تو بنیادی طور پر اس کے معنی مستقبل کے حالات کے بتانے کے نہیں۔ اگرچہ یہ بھی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا کی جانب سے باتیں کرنا (مقابلہ کیجئے ۱۔کرنتھیوں ۱۴: ۳)۔ جب پولس قیصریہ میں تھا۔ تو اگبس نبی کی معرفت اسے نہایت واضح طور پر آگاہی ہوئی کہ یروشلیم میں اس پر کیا گزرے گی (آیت ۱۱)۔ لیکن پولس تہیہ کر چکا تھا اور اس کا دل تیار تھا اور وہ منہ موڑنے کو تیار نہ تھا۔

۷۔ پولس کی گرفتاری اور یروشلیم میں پیشی

۲۱: ۱۷- ۲۳: ۳۵

(۱) کلیسیا کا قبول کرنا ۲۱: ۱۷-۲۶

یروشلیم میں یعقوب اور ایلڈروں نے پولس اور اس کے ساتھیوں کا خیر مقدم کیا اور جو کام خدا پولس کے ذریعے کر رہا تھا سن کر خوش ہوئے۔ یہ ۵۷ء کا قصہ ہے۔ لیکن ان افواہوں سے جو کہ پولس کے شریعت کے نظریے کے بارے میں گرم تھیں ذرا گھبرا گئے۔ وہ تسلیم

کرتے تھے۔ کہ رسولوں کی مجلس نے شریعت کے بارے میں غیر اقوام کی "پوزیشن" واضح کر دی ہے (آیت ۲۵)۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ پولس ہزارہا یہودی مسیحیوں کو بتا دے کہ وہ اس امر کے خلاف نہ تھا کہ یہودی ایماندار شریعت پر عمل نہ کریں اور اپنے بچوں کا ختنہ نہ کروائیں۔ پولس رضامند ہو گیا۔ کہ وہ بزرگوں کی روایات سے وفاداری کے بارے میں عملی اظہار کرے گا اور چار غریب یہودی ایماندار نذیروں کی منت کے اخراجات برداشت کرے گا (گنتی ۶: ۱-۲۱)۔

پولس کے اس سمجھوتے کے باعث اسے شدید نکتہ چینی کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ یہ عبوری زمانہ تھا۔ یہودی ایمانداروں کی ایک نسل جس نے کہ موسوی شریعت کی پیروی میں پرورش پائی تھی، اب اس شریعت کی تکمیل یسوع مسیح میں دیکھ رہی تھی۔ جب وہ اپنے نذرانے عبادت خانے میں لے جاتے تھے، تو دیکھ سکتے تھے کہ وہ نذرانے مسیح کی قربانی کی تصویر ہیں۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہودی مسیحی جان گئے کہ رسمی شریعت کی ضرورت نہیں رہی، لیکن وہ فوری طور پر اس بات سے آشنا ہو سکتے تھے۔ چونکہ اب نیا عہد آ چکا تھا لہذا پرانے عہد کو اٹھ جانا تھا (عبرانیوں ۸: ۱۳)۔ کسی عالم نے کہا ہے کہ "شریعت مر تو چکی تھی لیکن ابھی دفن نہیں ہوئی تھی" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولس شریعت کی کافی حد تک اس لیے پیروی کرتا تھا کیونکہ اس نے شریعت کے گہوارے میں پرورش پائی تھی لیکن اس میں نمایاں فرق یہ

تھا کہ اب وہ شریعت کو راستبازی کا وسیلہ نہیں مانتا تھا، بلکہ اُسے محض دستورِ حیات ہی تصور کرتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ شریعت کو نجات کا وسیلہ نہ مانتا تھا، بلکہ وہ اُس کے رسم و رواج پر اس لیے عمل کرتا تھا کہ وہ اپنی قوم کو پیار کرتا تھا اور خواہ مخواہ یہودیوں کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا (۱۔کرنتھیوں ۹: ۲۰)۔ یہ بات اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ جب ایک محض اشارہ ہی ہوتا ہے کہ شرعی رسم و رواج فضل کی خوشخبری کا ضروری ضمیمہ ہے تو پولُس اس کی سختی سے مخالفت کرتا ہے۔

(۲) زیرِ حراست ۲۱: ۲۷-۳۶

جب پولُس اپنی منت پوری کرنے کے لیے ہیکل میں تھا تو ان یہودیوں نے جو آسیہ کے تھے اُسے پہچان لیا۔ پولُس پر جھوٹی تہمت لگا کر انہوں نے بھیڑ کو ابھارا کہ وہ ہیکل میں یونانیوں کو لے آیا ہے۔ غیر اقوام صرف باہر کے صحن ہی میں آسکتے تھے اور اگر کوئی غیر قوم ہیکل میں بے جا مداخلت کرتا تو وہ واجب القتل تھا۔ رومی حکومت نے ایسی سزا کی توثیق کر رکھی تھی۔ اگر خطا کار کوئی رومی شہری بھی ہوتا تو بھی اُسے یہی سزا بھگتنی پڑتی تھی۔ بلوے کی خبر رومی فوج کے کپتان کے پاس پہنچی جو ہیکل کے پاس ہی ایک قلعے میں تھا۔ بہت مشکل سے فوج کے کپتان اور اس کے سپاہیوں نے پولُس کو بچایا اور قلعے میں لے گئے۔

(۳) یہودیوں کے سامنے صفائی ۲۱: ۳۷-۲۲: ۲۹

کپتان نے خیال کیا کہ پولُس ایک مصری باغی ہے۔ جس کے باقی ساتھی تو مارے گئے ہیں لیکن وہ خود بچ کر آگیا ہے۔ لہٰذا جب پولُس نے بھیڑ کو خطاب کرنے کے لیے یونانی زبان میں اجازت چاہی تو وہ حیران ہو گیا۔ مشتعل بھیڑ کے سامنے پولُس کا سکون و اطمینان حیرت انگیز ہے۔

قلعے کی سیڑھیوں پر پولُس نے اپنی صفائی یونانی زبان میں پیش کی۔ اس کے خلاف وہی الزام تھے جو ستفنس کے خلاف تھے یعنی موسیٰ کی شریعت سے غداری اور ہیکل کی بے حرمتی۔ پولُس اپنی تبدیلی کا جو کہ یہودیت سے مسیحیت کی جانب ہوئی تھی ذکر کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کی پرورش سختی سے یہودی طریقے پر ہوئی اور شریعت کے بارے میں وہ بہت سرگرم تھا، اسی وجہ سے اُس نے مسیحیوں پر سخت مظالم ڈھائے تھے۔ اس نے دمشق کے راستے پر اپنی عجیب تبدیلی کا بھی ذکر کیا اور جو اختیار حننیاہ سردار کاہن کی طرف سے ملا تھا اس کا بھی تذکرہ کیا۔ نیز یروشلیم میں جو رویا دیکھی تھی وہ بھی بیان کی (۹: ۲۶)۔ اس رویا میں خداوند مسیح نے پولُس کو بتایا تھا کہ وہ غیر قوموں کے پاس بھیجے گا۔

جب تک پولُس نے غیر اقوام کا نام نہ لیا جن سے ان کو نفرت تھی، تب تک بھیڑ سنتی رہی لیکن پھر گڑبڑ شروع کر دی اور اُس کو مار ڈالنے کے

لیے چلّانے لگی۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ یہودی غدّار اور بھگوڑا ہے، جس نے نہ صرف یہودیت ہی چھوڑی ہے اور مسیحی ہوگیا ہے بلکہ وہ غیر اقوام کو یہودیوں کے برابر بھی سمجھتا ہے۔

پولُس کا کئی متشدّد بھیڑوں سے سابقہ پڑا تھا مگر یہ بھیڑ تو عجیب ہی تھی۔ خدا کے انتظام کے تحت فلسطین میں رومی سکہ چل رہا تھا اور جب وہ اپنے ملک کے جوشیلے لوگوں کو مسیح کی خوشخبری سُنا رہا تھا، تو اُسے بے ایمان پردیسیوں نے پناہ دی۔ گھبرایا ہُوا کپتان جو غالباً یونانی تقریر نہ سمجھتا تھا اس کوشش میں کہ پولُس سے گڑبڑ کی وجہ معلوم کرے اُسے کوڑے لگوانے کو تھا کہ پولُس نے اپنی شہریت بتا دی۔ لہٰذا وہ کوڑے مار کر اظہار کروانے سے بچ گیا۔ یہ ایک اور مثال ہے کہ پولُس نے اپنی شہریت جتا کر شہری حقوق کا مطالبہ کیا (مقابلہ کیجئے ۱۶ : ۳۷)۔

(۴) عدالتِ عالیہ (یہودی مذہبی عدالت) کے سامنے جواب طلبی

۲۲ : ۳۰ - ۲۳ : ۱۱

پولُس کے جرائم کی نوعیت جاننے کے لیے فوج کے کپتان لُوسیاؔس نے اس کے عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش ہونے کا اہتمام کیا۔ اگر پولُس نے کوئی شرعی قانون توڑا تھا تو اس کی سزا دینا عدالتِ عالیہ کا کام تھا اور اگر یہ سزائے موت تھی تو رومی حکومت کی منظوری لازمی تھی۔

پولُس کے افتتاحیہ الفاظ سے سردار کاہن حننیاہ کو غصہ آیا اور اُس

نے حکم دیا کہ اس کے منہ پر طمانچہ مارا جائے (مقابلہ کیجئے یوحنا ۱۸ : ۲۲)۔ یہ حننیاہ وہ نہیں جس کا ذکر لوقا ۳ : ۲ ؛ یوحنا ۱۸ : ۱۳ ؛ اور اعمال ۴ : ۶ میں ہے، بلکہ یہ ۴۷-۵۸ء میں اس مرتبے پر فائز تھا۔ پولُس کے الفاظ "خدا تجھے مارے گا" ایک پیشگوئی ثابت ہوئی۔ کیونکہ ۶۶ء میں حننیاہ کو قتل کیا گیا۔ "شریعت کے برخلاف" یہودی شریعت کسی انسان کو جب تک کہ اس کا گناہ ثابت نہ ہو جائے بے گناہ سمجھتی تھی۔

جونہی پولُس کو پتہ چلا کہ اُس نے کس کو جھڑکا ہے تو اُس نے سردار کاہن کی بے حرمتی کے گناہ کو فوراً تسلیم کر لیا۔ پولُس کا اپنے گناہ کا فوراً اقبال کر لینا ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔ شاید پولُس نے سردار کاہن کو نہ پہچانا ہو۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:۔

(۱) مجلس میں بہت زیادہ لوگ تھے۔

(۲) مجلس کے فوراً بلائے جانے کے سبب شاید سردار کاہن اپنا امتیازی لباس نہ پہنے ہوئے ہو۔

(۳) پولُس رسول بہت دیر علیحدہ رہا تھا اس لیے وہ سردار کاہن کو فوراً نہ پہچان سکا۔

(۴) نیز یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ پولُس کی بینائی کمزور تھی (گلتیوں ۴ : ۱۴، ۱۵؛ مقابلہ کیجئے ۶ : ۱۱)۔

پولُس کو معلوم تھا کہ سردار کاہن کو جھڑکنے کے بعد اب انصاف کی اُمید رکھنا فضول ہے۔ لہٰذا بڑی دانش مندی سے فریسیوں اور صدوقیوں کے

نمایاں اختلافات کو بیچ میں لاکر فریسیوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دونوں فرقوں میں قیامت کا مسئلہ سنگین اختلاف کا باعث تھا "میں فریسی ہوں"۔ ایک شخص فریسی ہو کر بھی مسیحی ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک صدوقی ہو کر مسیحی ہونا ناممکن تھا (دیکھئے ۴: ۱-۲۲)۔ اس کے بعد بہت شور و غل ہوا۔ لہٰذا ایک دفعہ پھر کپتان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ پولُس کو قلعہ میں حفاظت کی جگہ لے جائیں۔

اگلی رات رویا میں خُداوند مسیح پولُس پر ظاہر ہوئے اور اُسے تسلّی دی اور یقین دلایا کہ تو رومہ میں بھی میری گواہی دے گا۔ دیگر ہنگامی حالات میں بھی خداوند مسیح نے اپنے بندے کو رویا کے ذریعے حوصلہ بخشا تھا (۱۸: ۹؛ ۲۲: ۱۸)۔

(۵) پولُس کا قیصریہ کو بھیجا جانا ۲۳: ۱۲-۳۵

پولُس کے بھتیجے کے ذریعے سے کپتان کو پولُس کے خلاف سازش کی بھنک پڑ گئی۔ یہودی مذہبی پیشواؤں کی انتہائی ذلالت اور گمراہی اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ پولُس کو دھوکے سے قتل کرنے کی سازش میں وہ بھی شریک تھے۔ ایک رومی کی جان بچانے کے لیے کسی بھی احتیاط سے دریغ نہ کیا گیا۔

لوسیاس کپتان نے پولُس کو سپاہیوں کی ایک بھاری جمعیت کی حفاظت میں انتپترس کے راستے قیصریہ کو رومی گورنر فیلکس کے

پاس بھیج دیا۔

خُداوند کے بندے پولُس کو رد کر کے یہودی قوم، اپنے بزرگوں کے ذریعے مصلوب ہونے اور مُردوں میں سے جی اٹھنے والے مسیح کی خوشخبری کو رد کر رہی تھی۔ جب مسیح نے یروشلیم پر افسوس کیا (لوقا ۱۳: ۳۴-۳۵) تو وہ اپنے، اپنی خوشخبری اور مبشروں کے مکمل طور پر رد کئے جانے پر بھی غور کر رہا ہوگا۔ یہ انکار یہودی قوم کے پیشواؤں کے ذریعہ پولُس اور اس کے پیغام کو رد کرنے کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ۷۰ء میں اس قوم پر قہر نازل ہُوا۔ اور رومی حکومت نے یروشلیم کو برباد کر دیا۔ یہودی فرداً فرداً خُداوند مسیح پر ایمان لاتے رہے ہیں، لیکن بحیثیت ایک قوم ان کا گھر اس وقت تک ویران رہے گا جب تک کہ مسیح دوبارہ نہ آئے اور وہ اُسے قبول نہ کر لیں (زکریاہ ۱۲: ۱۰-۱۳: ۱۔ مقابلہ کیجئے رومیوں ۱۱: ۲۵-۲۶)۔

۷۔ قیصریہ میں قید ۲۴: ۱-۲۶: ۳۲

(۱) فیلکس کے سامنے باب ۲۴

تواریخ بتاتی ہے کہ فیلکس ظالم و عیاش تھا۔ کوئی شخص بھی پسند نہ کرے گا کہ اس کا مقدمہ ایسے شخص کے سامنے پیش ہو۔ سردار کاہن اور کچھ بزرگ چند دن کے بعد ایک رومی وکیل کو لے کر آئے۔ عالمِ شباب میں جب پولُس ابھی ساؤل ہی تھا تو مسیحیوں کو ستانے کی وجہ سے وہ یہودی

پیشواؤں کی آنکھ کا تارا تھا۔ لیکن اب چونکہ وہ مسیحی دین کا سالار اعلیٰ بن گیا تھا اس لیے یہودی اس سے اور بھی زیادہ نفرت کرتے تھے۔

وکیل نے گورنر کی بے حد تعریف کی اور پولُس پر کچھ گول مول اور کچھ واضح الزامات لگانے لگا۔ پولُس رسول نے واضح اور یقینی انداز سے جواب دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ یروشلیم میں عبادت کرنے کی غرض سے آیا تھا نہ کہ بے حرمتی اور بغاوت کے منشا سے۔ اُس نے اپنے اوپر الزام لگانے والوں کو چیلنج کیا کہ وہ ثابت کریں کہ اس نے یہودی مذہب کا کوئی قانون توڑا ہے۔ اس نے اقبال کیا کہ "جس طریق کو تم ایک فرقہ کہتے ہو میں اُسی کا پیرو کار ہوں" (آیت ۱۴)۔ لیکن یہ نہ تو کوئی غیر قانونی بات تھی اور نہ یہودی نوشتوں کی مخالفت پھر وہ اصلی سبب بیان کرتا ہے کہ کاہنوں کا گروہ کیوں میرا مخالف ہے وہ بتاتا ہے کہ کاہن اس کے اس لیے دشمن ہیں کہ وہ قیامت کے عقیدے کی تبلیغ کرتا ہے (آیت ۲۱)۔

فیلکس گورنر بھانپ گیا کہ پولُس کے خلاف عاید کردہ الزامات ثابت نہیں ہو سکتے۔ لیکن چونکہ وہ بزدل تھا لہٰذا لوسیاس کے آنے تک مقدمے کو ملتوی کر دیا۔ فیلکس اور اس کی یہودی بیوی دُروسلہ (جس کو اُس نے اس کے قانونی شوہر سے ورغلا لیا تھا) دونوں مسیحیت کے بارے میں قدرے علم رکھتے تھے اس لیے وہ کبھی کبھار پولُس کے ساتھ دینی مسئلوں پر بحث کر لیا کرتے تھے۔ پولُس رسول کے "راستبازی، پرہیزگاری اور آئندہ کی عدالت کے بیان" نے فیلکس کو تھرا دیا۔ لیکن

فیلکس نے اپنا دل سخت کر لیا اور توبہ کرنے کے موقع کو رد کر دیا۔ اُس قانون کے محافظ رشوت خور افسر نے پولُس کو دو سال تک قید رکھا۔ اُس کو توقع تھی کہ کچھ رشوت مل جائے گی، لیکن اس کی اُمید پوری نہ ہوئی۔ بالآخر ۵۹ء میں اُس کی جگہ فیستس تعینات ہوا۔ کلیسیا کے لیے پولُس ایک نمونہ پیش کرتا ہے کہ اُس نے زیادتی اور ظلم تو سہہ لیا لیکن رشوت نہ دی (خروج ۲۳: ۸؛ استثنا ۱۶: ۱۸-۱۹)۔

(۲) فیستس کے سامنے پیشی ۲۵: ۱-۱۲

۵۹ء میں گورنری کا عہدہ سنبھالنے کے چند دن بعد فیستس یروشلیم کو گیا۔ وہاں پولُس کے دشمنوں نے فیستس کو رضا مند کرنے کی کوشش کی کہ اُسے یروشلیم لا کر اس کے مقدمے کی سماعت کی جائے۔ ان کی یہ سازش تھی کہ اسے رستے میں ٹھکانے لگایا جائے۔ فیستس نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اس کے ساتھ قیصریہ چلیں اور اُس کے خلاف الزامات پیش کریں۔

عدالتِ عالیہ کے کچھ ارکان فیستس کے ساتھ قیصریہ گئے اور وہاں پولُس کے خلاف اپنے الزامات ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی۔ فیستس جان گیا کہ الزامات بے بنیاد ہیں۔ لیکن چونکہ رومی حکومت کی پالیسی تھی کہ جہاں تک ہو سکے۔ یہودیوں کو خوش رکھا جائے، لہٰذا اُس نے پولُس سے پوچھا "کیا تجھے یروشلیم جانا منظور ہے کہ تیرا یہ مقدمہ وہاں میرے سامنے فیصل ہو" فیلکس کی طرح فیستس میں بھی درست کام کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ بھی

فیلکس کی طرح یہودیوں کا منظورِ نظر بننا چاہتا تھا۔

پولس رسول جو یروشلیم میں بھیڑ اور عدالتِ عالیہ کا سامنا کر چکا تھا، دو سال تک فیلکس کے مکر و فریب کو برداشت کرتا رہا، لیکن اب اُسے فیستس کی اخلاقی بزدلی کا خطرہ لاحق تھا۔ وہ اپنی زندگی خواہ مخواہ ضائع کرنے کے لیے تیار نہ تھا لہٰذا اُس نے ایک مرتبہ پھر اپنے رومی شہریت کے حقوق کو استعمال کیا اور مطالبہ کیا کہ اس کے مقدمے کا فیصلہ خود قیصر کرے پولس کی روما میں خدمت کی خواہش (۱۹ : ۲۱؛ رومیوں ۱۵ : ۲۲-۲۸) اور خداوند کا وعدہ جو اعمال ۲۳ : ۱۱ میں کیا گیا تھا، لازماً اُس کے اس فیصلے پر اثر انداز ہوا۔ غالباً فیستس کو قیدی سے پلّہ چھڑانے کا یہ اچھا موقع مل گیا۔ لیکن ایک ایسے قیدی کو قیصر کے پاس بھیجنے سے جس کے خلاف کوئی ٹھوس الزامات نہ تھے پریشانی میں بھی مبتلا ہو گیا۔

(۳) اگرپا اور برنیکے کے سامنے پیشی ۲۵ : ۱۳-۲۶ : ۳۲

بادشاہ، ہیرودیس اگرپا دوئم اور اُس کی ہمشیرہ برنیکے جو فیلکس کی بیوی درُوسلہ کی بڑی بہن تھی، سرکاری دورے پر آئے۔ ان کا باپ ہیرودیس اگرپا تھا۔ جس کا ذکر اعمال ۱۲ : ۱ میں پایا جاتا ہے۔ اگرپا دوئم فلسطین کا آخری یہودی بادشاہ تھا اور گلیل کی جھیل کے شمال مشرقی حصے پر حکمران تھا۔ وہ یہودی معاملات میں ماہر خیال کیا جاتا تھا اور سردار کاہنوں کی تقرری کے اختیارات رکھتا تھا۔

قیصر نیرو کو اُس کی رپورٹ بھیجنے کے لیے ضروری تھا کہ فیستس پولس کے خلاف الزامات کی نوعیت سمجھے، اور اس کا خیال تھا کہ اگرپا اس ضمن میں اس کا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ بادشاہ اور برنیکے بھی پولس سے ملنے کے مشتاق تھے لہٰذا اگلے دن قیدی پیش کیا گیا۔

اگرپا بادشاہ کے سامنے پولس کا بیان جو ۲۶ ویں باب میں درج ہے محض اس کی بے گناہی کی صفائی ہی نہیں بلکہ مسیحیت کی رُوح و جان کا اعلیٰ ترین بیان بھی ہے چونکہ یہ بیان واضح اور مفصّل ہے لہٰذا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس موقع پر لوقا حاضر تھا اور اُس نے تمام بیانات سُنے اور تحریر کئے۔

پولس رسول اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ خُداوند مسیح جو مردوں میں سے جی اُٹھا، اس پر ایمان رکھنا مسیحیت کی رُوح ہے وہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ خُداوند مسیح کی قیامت کی تصدیق باوثوق گواہوں اور پُرانے عہدنامہ سے ہوتی ہے اور یسوع مسیح کے وسیلہ سے نجات کا پیغام کل عالم کے لیے ہے۔ پولس اپنے دشمنوں کے خلاف نفرت کا اظہار نہیں کرتا بلکہ مسیح کی منادی کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پولس ثابت کرتا ہے کہ بے حرمتی کا الزام بے بنیاد ہے کیونکہ اُس کا تعلق تو ایک کٹّر یہودی فرقے سے ہے اور "اُمید" یعنی مسیحا کی آمد کی امید جس کی وہ تبلیغ کرتا ہے یہودیوں کے مسلّمات میں سے ہے۔ پولس نے مزید بتایا کہ وہ انہیں باتوں کی تبلیغ کرتا ہے جو موسیٰ اور انبیاء نے

بتائی ہیں اور جو وقوع میں آئیں یعنی کہ مسیح دکھ سہے گا، مُردوں میں سے جی اٹھے گا اور اُسی کے نام سے تمام دنیا میں نجات کا پیغام پھیلایا جائے گا۔ پولُس بتاتا ہے کہ اس کے تمام تر رجحانات یسوع کو مسیح ماننے کے خلاف تھے لیکن دمشق کی راہ پر اُسے الٰہی مکاشفہ ہُوا جس نے اُس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا، اور وہ مجبور ہو گیا کہ جس یسوع کو وہ ستاتا تھا، اس کی بشارت دے۔

یہ تمام باتیں فیستُس کو اتنی عجیب معلوم ہُوئیں کہ وہ چلا اٹھا۔ "اے پولُس! تو دیوانہ ہے۔ بہت علم نے تجھے دیوانہ کر دیا ہے" (آیت ۲۴)۔ پولُس نے مؤدبانہ جواب دیا کہ چونکہ اس کی تعلیم کا مضمون پرانے عہد نامے کا مضمون ہے جس پر بادشاہ بھی ایمان رکھتا ہے لہذا بادشاہ خود ہی اس کے بیان کی سچائی کی توثیق کرے۔ چونکہ بادشاہ نہ تو پولُس سے اتفاق کرنا چاہتا تھا اور نہ انبیاء سے اختلاف، اس لیے پولُس کی براہ راست اپیل نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا۔ لہذا بادشاہ ہنس کر کہنے لگا "تو تو تھوڑی ہی سی نصیحت کر کے مجھے مسیحی کر لینا چاہتا ہے"۔ پولُس نے جواب دیا۔ "تھوڑی نصیحت سے یا بہت سے، صرف تو ہی نہیں بلکہ جتنے لوگ میری سنتے ہیں میری مانند ہو جائیں۔ سوا ان زنجیروں کے"۔ پولُس زندگی کا صحیح صحیح جائزہ لے چکا تھا اور مسیح خداوند میں اُسے وہ خوشی حاصل تھی جس پر بادشاہ بھی رشک کریں۔

منصفوں نے اپنا فیصلہ دیا کہ پولُس بے گناہ ہے۔ لیکن چونکہ اس

نے قیصر کے ہاں اپیل کر رکھی ہے۔ اس لیے اُسے رُوم میں بھیجنا ضروری ہے۔ جب سے پولُس عبادت خانے میں گرفتار ہُوا تھا، اس کی اس دو سالہ قید و اذیت میں اس کی بے گناہی تو ثابت ہو چکی تھی، لیکن ساتھ ہی فیلکس اور فیستُس کی بے انصافی اور یہودی مذہبی پیشواؤں کی اخلاقی گراوٹ بھی بے نقاب ہو گئی۔

ز۔ رُوم کی طرف سفر الواب ۲۷، ۲۸

(۱) سمندری سفر اور جہاز کی تباہی باب ۲۷

(۱۹ : ۲۹ ؛ ۲۰ : ۴ ؛ کلسیوں ۴ : ۱۰ ؛ فلیمون ۲۴)

پولُس، لُوقا اور ارسترخس کے ساتھ پلٹن کے صوبہ دار یُولیس کی تحویل میں جہاز میں بیٹھ کر روم کی جانب روانہ ہو گیا۔ جمع کی ضمیر "ہم" ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت لُوقا بھی ساتھ تھا۔ پولُس جلد ہی صوبہ دار کا دوست و منظورِ نظر بن گیا۔ صوبیدار نے پولُس کو صیدا کی بندرگاہ پر اترنے کی اجازت دی اور بعد ازاں اس کی جان بھی بچائی (آیات ۴۲، ۴۳)۔

وہ ایک چھوٹے جہاز میں سوار ہوئے اور پھر مورہ سے سکندریہ کے ایک مال بردار جہاز میں سوار ہوئے۔ روم کے لیے غلہ زیادہ تر مصر سے جاتا تھا اور حکومت کے جہاز متواتر غلہ لے کر مصر سے روم جاتے رہتے تھے۔

۱۴ ستمبر کے بعد بحر روم میں سفر خطرناک ہو جاتا۔ اور ۱۱ نومبر کے بعد سفر کرنا بند ہو جاتا تھا۔ جب جہاز کریتس کے جنوبی ساحل حسین بندر کے مقام پر پہنچا تو محفوظ سفر کے لیے پہلے ہی دیر ہو چکی تھی۔ کیونکہ "روزہ کا دن گذر چکا تھا" (آیت ۹) یعنی کفارہ کا دن جو ۵۹ء میں ۱۵ اکتوبر کو پڑتا تھا۔ اس لیے پولس نے جو تجربہ کار سیاح تھا نصیحت کی کہ جاڑے کے اس موسم میں اور سفر نہ کیا جائے۔ لیکن پولس کی نصیحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جہاز کے افسران نے فیصلہ کیا کہ فینکس تک پہنچنے کی کوشش کریں جو کریتے کے مغرب میں زیادہ موزوں بندرگاہ تھی۔

لیکن جونہی انہوں نے اپنا سفر پھر شروع کیا طوفانی ہوا نے انہیں ساحل سے دور دھکیل دیا۔ انہوں نے بچاؤ کشتی جہاز پر کھینچ لی جو عام طور پر جہاز کے عقب میں بندھی ہوتی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے گھسٹتی جاتی تھی انہوں نے جہاز کو موٹے موٹے رسّوں سے مضبوط کر لیا اور کچھ سامان سمندر میں پھینک دیا تاکہ جہاز ہلکا ہو جائے۔ ہوا کے سامنے وہ دو ہفتے تک مغرب، شمال اور شمال مغرب کی طرف دھکے کھاتے رہے حتیٰ کہ ماسوا پولس سبھی ناامید ہو گئے۔ اس کہانی میں پولس رسول کی شخصیت اور ایمان کی مضبوطی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پولس اپنے ہم سفروں کے حوصلے بڑھاتا ہے اور خدا کے اس وعدے کے بارے میں بتاتا ہے۔ جو اس نے رویا میں اس سے کیا تھا کہ کسی کا بال بیکا نہ ہو گا (آیات ۲۲، ۲۴)۔ خداوند کے فرشتے نے پولس سے کہا تھا کہ "جتنے لوگ تیرے ساتھ جہاز میں

سوار ہیں ان سب کی خدا نے تیری خاطر جان بخشی کی"۔ ہمیں یہاں اس اصول کی ایک مثال ملتی ہے کہ نیک آدمی قوم کے لیے حفاظت کا باعث ہوتے ہیں (مقابلہ کیجئے پیدائش ۱۸ : ۲۶)۔

جوں جوں کہانی جاری رہتی ہے پولس کی عملیت نمایاں ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ حقیقت میں جہاز کی کمان سنبھال لیتا ہے۔ چودھویں رات کو ملاحوں کو معلوم ہوا کہ وہ خشکی کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔ لہٰذا وہ لنگر انداز ہو گئے اور صبح کو بچاؤ کشتی میں بیٹھ کر بھاگ جانا چاہتے تھے۔ پولس کو معلوم تھا کہ جہاز کے عملے کے لیے تجربہ کار آدمیوں کی ضرورت ہے لہٰذا اس نے ملاحوں کو بھاگ جانے سے روک دیا۔ پولس نے اپنے ساتھیوں کا پھر حوصلہ بڑھایا اور سب کے سامنے خوراک پر خداوند سے برکت چاہ کر انہیں کھانے پر مجبور کیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے جہاز کو محفوظ خلیج میں لانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ زمین پر ٹک گیا اور لہروں کے تھپیڑوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ تیر کر یا جہاز کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں کے سہارے ہر ایک ساحل پر سلامتی سے پہنچ گیا۔ پولس اور اس کے ساتھی کی خاطر خداوند نے لہروں کو خاموش نہیں کیا مگر ان کو خطرے سے بچا کر صحیح سلامت باہر لے آیا۔

(۲) ملتے میں موسم سرما ۲۸ : ۱-۱۰

تباہ شدہ جہاز کی پارٹی کو معلوم ہوا کہ وہ ملتے کے جزیرے پر

آ اترے ہیں۔ سمندر میں دُکھ اور تکلیفیں سہنے کے بعد وہ جزیرے کے باشندے والوں کی دیکھ بھال اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئے جن کا تہذیب و تمدن یونانیوں اور رومیوں سے مختلف تھا وہ انہیں "غیر مہذب، وحشی" کہتے ہیں (آیت ۲)۔

چونکہ سمندر کے مصائب میں پولُس نے ایک ہیرو کا کردار ادا کیا تھا، لہذا مِلتے کے جزیرے میں وُہ فوراً ہی مقبول ہوگیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ پولُس کو سانپ نے ڈسا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ عدل کی دیوی اُسے کسی جرم کی سزا دے رہی تھی (آیت ۴)۔ لیکن جب اُس پر کچھ اثر نہ ہُوا تو ان کے خیالات بدل گئے اور سوچنے لگے کہ یہ کوئی دیوتا ہے۔ لُوقا ہمیں نہیں بتاتا کہ پولُس نے ان کے اس نظریے کی کہ وہ دیوتا ہے تصحیح کی تھی کہ نہیں، اور نہ یہ بتاتا ہے کہ اُس نے وہاں منادی کی یا نہیں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ اُس نے یہ دونوں باتیں کی ضرور ہوں گی۔ جب پولُس نے جزیرہ کے سردار کے والد اور دوسروں کو جو بیمار تھے شفا بخشی تو اس کی مقبولیت میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ چونکہ جہازیوں کی تعداد خاصی تھی، لہذا جزیرے کے باسیوں کے لیے ان کی تین ماہ تک خدمت کرتے رہنا کافی لمبا عرصہ تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے پولُس کی خدمت ہی کی وجہ سے ان کی خاطر تواضع اتنے تپاک سے کی۔ اور جب ان کے رخصت ہونے کا وقت آگیا تو انہیں باقی ماندہ سفر کے لیے تمام لوازمات بھی مہیا کر دیئے (آیت ۱۰)۔

(۳) رُوم کی جانب ۲۸ : ۱۱-۳۱

جب سمندری سفر محفوظ سمجھا گیا تو مسافر پھر روم کی جانب چل دیئے۔ اس مرتبہ وہ اسکندریہ کے ایک اور غلّہ بردار جہاز میں سوار ہوئے جو کہ مِلتے کی بندرگاہ وِلیٹا میں تمام جاڑا کھڑا رہا تھا۔ یہ ۶۰ء کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔

جہاز سرکوسہ پہنچ گیا جو سِسلی کے جزیرے کے مشرق کی طرف اٹلی کے نیچے ہے۔ پھر پارٹی پتیلی میں آگئی جو کہ روم سے ایک سو پچاس میل دُور ہے پتیلی کے مقام پر مسیحیوں کی رفاقت سے پولُس کو احساس ہوگیا ہوگا کہ اُس کا سفر ختم ہو چکا ہے۔ روم میں ان کی آمد کے بارے میں اطلاع پہلے ہی پہنچ چُکی تھی۔ لہذا مسیحیوں کا وفد ان کو ملنے کے لیے اپئیس کی منڈی پر آیا جو روم سے پینتالیس میل پر واقع ہے۔ اور دوسرا وفد تین سرا پر ملا جو روم سے تینتیس میل دور واقع ہے۔ جب پولُس ان سے ملا۔ تو "انہیں دیکھ کر خدا کا شکر کیا اور اُس کی خاطر جمع ہوئی" (آیت ۱۵)۔

پولُس کو پتہ تھا کہ اُس کی روم کے مسیحیوں کی خدمت کرنے کی خواہش جس کے بارے میں اس نے تین سال قبل لکھا تھا، پُوری ہونے کو ہے (رومیوں ۱: ۸-۱۲)۔

پولُس رسُول کے ساتھ رومی حاکموں کا برتاؤ بہت ہمدردانہ تھا۔ غالباً گورنر فیستُس نے اپنے خط میں اُسے بے الزام ٹھہرایا ہوگا اور صوبہ دار

یولیس نے پولُس کے بارے میں بڑی اچھی رپورٹ دی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُسے اپنے کرائے کے مکان میں محافظ سپاہی کے ساتھ رہنے کی اجازت مل گئی۔ اور شاید ہلکی سی زنجیر اُس کی کلائی کو لگا کر پہرہ دینے والے سپاہی کے ساتھ باندھ دی جاتی تھی "اور جو اس کے پاس آتے تھے ان سب سے ملتا رہا اور کمال دلیری سے بغیر روک ٹوک کے خُدا کی بادشاہی کی منادی کرتا اور خُداوند یسوع مسیح کی باتیں سکھاتا رہا"۔

رومہ میں بہت سے یہودی تھے۔ چونکہ پولُس کو ہمیشہ اپنی قوم کا غم ستاتا رہتا تھا لہذا اُس نے قوم کے پیشواؤں کو بلایا تاکہ اُنہیں اپنے حالات بتائے اور خُدا کا پیغام سُنائے۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ ضرور یہودیوں کے بُرے سلوک کی شکایت کرتا لیکن پولُس رسُول نے ایسی کوئی بات نہ کی۔ اُس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خُداوند یسوع مسیح کی منادی کی اور کہا۔ "اسرائیل کی اُمید کے سبب سے میں اس زنجیر سے جکڑا ہوا ہُوں" (آیت ۲۰)۔

اسرائیل کی اُمید یہ تھی کہ خُدا المسیح کو اُس جہان میں بھیجے گا۔ پولُس کا تصور محض یہ تھا کہ اُس کا ایمان تھا کہ المسیح آچکا ہے۔

رومہ کے یہودیوں نے کہا کہ "اہنیں فلسطین کے یہودیوں نے اُس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں بھیجی"۔ ہوسکتا ہے کہ چونکہ یروشلیم میں پولُس کے خلاف مقدمہ کامیاب نہ ہوسکا تھا اس لئے انہوں نے اتنی دُور رومہ میں مقدمے کی پیروی کو فضول تصور کیا ہو۔ اگر پولُس کے دشمنوں

نے ایک کمزور مقدمے کی پیروی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تو دو سال کا عرصہ جو پولُس وہاں ٹھہرا اس مقدمے کو زائد المیعاد کرنے کے لیے کافی تھا (آیت ۳۰)۔

یہودی پھر پولُس کے مسکن پر آئے اور اس مرتبہ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ لائے۔ اس دفعہ پولُس نے تمام دن ان کے سامنے پُرانے عہد نامے سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یسوع ہی ان کا مسیح موعود ہے۔ بعض کو یقین آگیا مگر بعض ویسے کے ویسے ہی رہے۔ پولُس نے جہاں کہیں بھی منادی کی یہودیوں نے بحیثیت قوم، خوشخبری کو رد کیا گو فرداً فرداً کئی ایک ایمان لے آئے۔ اب پولُس یسعیاہ کے الفاظ میں پیشگوئی کے طور پر یہودی قوم کی تباہی کا اعلان کرتا ہے۔ یہ تباہی ان کا رُوحانی اندھاپن تھا (یسعیاہ ۶: ۹، ۱۰)۔ اب ان کے لیے صرف ایک رستہ باقی رہ گیا تھا کہ وہ مستقبل میں قومی طور پر توبہ کریں اور یسوع کو اپنا المسیح قبول کر لیں۔ اعمال کی کتاب کا لُب لباب جو بار بار ابھرتا ہے ۲۹ ویں آیت میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ خوشخبری یہودیوں نے رد کر دی ہے "لہذا یہ خُدا کی نجات غیر اقوام کو دی جاتی ہے" (مقابلہ کیجئے اعمال ۱۳: ۴۶)۔ نتیجتہً ہماری کلیسیائی عبادت میں اسرائیلی قوم خُدا کے جلال کا وسیلہ بننے کے لیے نظر انداز کی گئی ہے اور انجیل کی منادی غیر اقوام میں اس وقت تک کی جائے گی تاوقتیکہ "غیر اقوام کا دخول پُورا نہیں ہو جاتا"۔

اعمال کی کتاب کے خاتمے پر ہم دیکھتے ہیں کہ قیدی پولُس اپنے کرائے کے مکان میں لوگوں کو بشارت اور تعلیم دے رہا ہے۔ اگرچہ یہ خاتمہ دفعتہً سا معلوم ہوتا ہے

لیکن جب کتاب کے مقصد کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ خاتمہ نہایت موزوں لگتا ہے۔ اس کتاب کا مقصد اس امر کا آئینہ ہے کہ کلیسیا کی بنیاد کیسے پڑی، کلیسیا نے ترقی کیسے کی اور ایک یہودی فرقے سے یہ ایک عالمی برادری میں کیسے ڈھل گئی۔ یروشلیم سے شروع کر کے جو کہ یہودیوں کا گھر تھا! انجیلِ جلیل اب رُوم میں جا پہنچی ہے جو غیر یہودی دُنیا کی تشبیہ ہے۔ وہاں یہ ہر قبیلے، اہلِ زبان، اُمت اور ہر قوم تک پہنچتی چلی جائے گی (مکاشفہ ۵: ۹)۔ جیسا کہ ہم نے رسول کو آخری دفعہ مُصیبت کی حالت میں دیکھا تھا، ویسے ہی زمانہ بہ زمانہ خُداوند کے کلام کی بشارت مخالفت کا شکار رہی ہے مگر خُدا کا کلام قید نہیں، اور یہی وہ خُدا کی بادشاہی کی منادی یعنی انسانوں کے دل پر خُدا کی حکمرانی اور خُداوند یسوع مسیح کے متعلق تعلیم ہے جو دُنیا کے لیے نور اور برکت کا باعث رہے ہیں۔

رُومیوں کے خط

کی

تفسیر

فہرست مضامین رُومیوں

تفسیر

دیباچہ

پَولُس رسُول کے تمام خطوں میں سے وہ خط جو اُس نے رُومہ کی کلیسیا کو لکھا، سب سے لمبا ہے۔ چونکہ اس میں مسیحی تعلیم کا بیش بہا خزانہ ہے اس لیے یہ خط بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کلیسیا کی تاریخ میں اس خط کی حیثیت لاثانی ہے۔ لُوتھر نے اسی خط کے وسیلہ سے سیکھا کہ نجات صرف ایمان ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور اسی حقیقت پر اُس نے بشارتی کلیسیا کی داغ بیل ڈالی۔ لندن کی ایک میٹنگ میں جب جان ویسلی نے لُوتھر کی رُومیوں کے خط کی تفسیر کی تمہید سُنی، تو اُسے اپنی نجات کا یقین ہو گیا اور اس قابل بن گیا کہ خُدا کی بادشاہت کے لیے بڑے بڑے کام کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح یہ تفسیر آج کل بھی کلیسیاؤں میں زندگی کی نئی رُوح پھونک دے۔

تاریخ تحریر

پَولُس رسُول نے اس خط کو اپنے تیسرے تبلیغی سفر میں لکھا، جبکہ وہ

کرنتھس کے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا۔ قیاس ہے کہ یہ خط ۵۷ء کے آغاز میں لکھا گیا۔

تحریر کی وجہ

۵۷ء تک پولس رسول مغرب میں یونان سے آگے نہیں گیا تھا، لیکن غیر اقوام کا رسول ہونے کی حیثیت سے جو خدمت اُسے سونپی گئی تھی، اُسے انجام دینے کے لیے اُس کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ وہ انجیل کی بشارت اٹلی اور سپین میں بھی دے۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے اُس نے یروشلیم جانے کا قصد کیا تاکہ وہ ہدیے جو اُسے ایشیائے کوچک اور یونان کی نئی کلیسیاؤں نے دیئے تھے، انہیں یروشلیم کی کلیسیا کو پہنچا دے۔ یروشلیم جانے سے پہلے اُس نے یہ خط لکھا۔ یہ خط اُس کلیسیا کے لیے ایک تمہید ہے جس سے ابھی تک اُس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، لیکن رومہ سے آگے کے علاقے میں بشارت دینے کے لیے اُس کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ رومی کلیسیا پر کوئی اختیار نہیں جتاتا۔ اس کی صرف یہ خواہش تھی کہ انہیں کوئی روحانی نعمت دے اور وہ مشترکہ ایمان کی یگانگت کے باعث تقویت پائیں (رومیوں ۱:۱۱-۱۲)۔

اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے جس کے باعث پولس رسول نے رومیوں کی کلیسیا کو اتنی تفصیل سے لکھا۔ یاد رہے کہ رومہ تمام رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا، اس لیے وہاں کی کلیسیا کو بڑی اہمیت حاصل تھی! اُس کی آواز کی وقعت اور اس کے نظریات وزنی ہو سکتے تھے۔ اور اگر کوئی بدعت وہاں سے اٹھ کھڑی ہوتی، تو وہ فوراً مقبول ہو جاتی۔ لہٰذا پولس رسول نے یہ نہایت ضروری سمجھا کہ

وہ اُس کلیسیا کو مسیحی ایمان میں پختہ کرے۔

رومی کلیسیا کی تشکیل

فلسطین کے باہر کی کلیسیاؤں کی مانند، رومہ کی کلیسیا میں بھی یہودی اور غیر یہودی مسیحی پائے جاتے تھے۔ خاص شہر میں ایک بڑی یہودی بستی تھی۔ جب یہ خط لکھا گیا، یہودی نسل کے دو شخص اکولہ اور پرسکلہ جن کا ذکر اعمال ۱۸:۲ میں ہے، رومہ میں تھے۔ پولس رسول یہاں بہت سے مسئلوں کا ذکر کرتا ہے، جن کا تعلق یہودی نسل کے مسیحیوں سے ہے۔ مثال کے طور پر نیا عہد اور شریعت، ابرہام یہودیوں کا باپ اور یہودی قوم کی نجات۔ دوسرے مسئلے جن کا یہاں بیان ہے وہ غیر یہودی مسیحیوں کے لیے ضروری ہیں۔ مثال کے طور پر غیر یہودی دنیا کی گمراہی، کسی ایمان میں کمزور رکن کے ساتھ سلوک اور ایک غیر یہودی کا مسیحیت کو قبول کرنا۔ پولس رسول دونوں گروہوں کو مشترکہ ایمان میں تعمیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ رومی کلیسیا کی اصل ان نومرید رومی یہودیوں کی ہو، جو پنتکست کے دن یروشلیم میں حاضر تھے (اعمال ۲:۱۰)۔

رومیوں کے خط کا خاکہ

۱۔ تمہید۔ ۱:۱-۱۵۔

ا۔ سلام اور تعارف ۱:۱-۷۔

ب۔ پولس رسول کا رومی کلیسیا کے ساتھ تعلق ۱:۸-۱۵۔

۲۔ پیغام۔ ایمان کے وسیلہ سے نجات ۱:۱۶-۱۷۔

۳۔ پہلا بڑا موضوع راستباز ٹھہرنا ۱:۱۸-۵:۲۱۔

ا۔ انسان اپنی کوشش سے نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ ۱:۱۸-۳:۲۰۔

(۱) غیر یہودیوں کی ناکامی۔ ۱:۱۸-۳۲۔

(۲) یہودیوں کی ناکامی۔ ۲:۱-۳:۸۔

(۳) سب کی ناکامی۔ ۳:۹-۲۰۔

ب۔ خدا کی راستبازی ایمان سے ملتی ہے۔ ۳:۲۱-۵:۲۱۔

(۱) مسیح پر ایمان لانے سے راستبازی۔ ۳:۲۱-۲۶۔

(۲) ابرہام کو راستبازی ایمان سے ملی۔ ۴:۱-۲۵۔

(۳) راستبازی ایمان کا اظہار۔ ۵:۱-۵۔

(۴) ایمان تمام رکاوٹوں پر غالب آتا ہے۔ ۵:۶-۱۱۔

(۵) آدم اور مسیح۔ ۵:۱۲-۲۱۔

۴۔ دوسرا بڑا موضوع

۱۔ تقدس ۶:۱-۸:۳۹۔

ا۔ ایماندار کے لیے پاکیزہ زندگی ضروری ہے ۶:۱-۱۵۔

(۱) بپتسمے کا مطلب ۶:۱-۱۱۔

(۲) عام حالت ۶:۱۲-۱۴۔

ب۔ شریعت کا دائرہ عمل ۶:۱۵-۷:۲۵۔

(۱) نصب العین شریعت کے نہیں مسیح کے تحت ہے ۶:۱۵-۲۳۔

(۲) مسیح کی موت شریعت کے اختیار سے آزاد کر دیتی ہے ۷:۱-۶۔

(۳) شریعت کی اصلی خصوصیت ۷:۷-۱۴۔

(۴) دو شریعتیں جو انسان میں پائی جاتی ہیں ۷:۱۴-۲۵۔

ج۔ پاک روح کے تحت زندگی ۸:۱-۳۹۔

(۱) روح کی پیروی ۸:۱-۴۔

(۲) روح کا ثبوت ۸:۵-۱۱۔

(۳) نئی ذمہ داری ۸:۱۲-۱۳۔

(۴) ہمارے فرزند ہونے کے بارے میں پاک روح کی شہادت ۸:۱۴-۱۷۔

(۵) تنگی اور تکلیف کے باوجود اس زندگی کا جلال۔ ۸:۱۸-۳۹

۵۔ تیسرا بڑا موضوع

یہوُدیوں کا خارج کیا جانا اور غیر قوموں کا نجات پانا ۹:۱-۱۱:۳۶۔

۶۔ چند عملی سوالات ۱۲:۱-۱۳:۱۰۔

ا۔ پاک زِندگی بسر کرنے کا کیا مطلب ہے ۱۲:۱-۲۔
ب۔ کلیسیا میں تعاون ۱۲:۳-۸۔
ج۔ ہمدردی اور حلیمی کے بارے میں نصیحت ۱۲:۹-۱۶۔
د۔ غیروں کے متعلق نظریہ ۱۲:۱۷-۲۱۔
ہ۔ مسیحی غیر مسیحی حکومت کے تحت ۱۳:۱-۱۰۔

۷۔ مسِیحی اور اُس کا کمزور بھائی ۱۳:۱۱-۱۵:۱۳۔

ا۔ جسم کی فکر نہ کرو ۱۳:۱۱-۱۴۔
ب۔ مسیحی آزادی، مسیحی محبت کی پابندی میں ۱۴:۱-۱۵:۱۳۔

۸۔ شخصی معاملات ۱۵:۱۴-۱۶:۲۷۔

ا۔ پولُس رسول اور رومی کلیسیا ۱۵:۱۴-۲۳۔
ب۔ آئندہ سفر کے لیے پولُس رسول کی تجویز ۱۵:۲۴-۳۳۔
ج۔ سلام اور آخری نصیحت ۱۶:۱-۲۷۔

تفسیر

ا۔ تمہید ۱:۱-۱۵

ا۔ سلام اور تعارف ۱:۱-۷۔

پولُس رسول اپنے خط کا آغاز اپنے تعارف سے کرتا ہے، اور یہ اُس زمانے کے رواج کے مطابق تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں، کیونکہ یہاں بھی عام طور پر ذاتی خطوط ایسے ہی لکھے جاتے ہیں، اور مکتوب الیہ کا نام تحریر کنندہ کے ساتھ فوراً منسُوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ پولُس رسول جب بھی اپنا ذکر کرتا ہے خُداوند یِسوع مسیح جس کا وہ بندہ ہے اور جس سے اُس نے خدمت کرنے کی خاص ذمّہ داری پائی ہے اُس کا ذکر کرنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، لہٰذا یہاں یہ رسمی انداز چند الفاظ میں تمام انجیلوں کے پیش کرنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ اِس طرح ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تعارفی پیرا اپنے مُدّعا سے آگے چلا جاتا ہے اور ان باتوں کو پہلے ہی بیان کر دیتا ہے جو خط کا اصلی حصّہ معلوم ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ اس پیرے کا مواد بیش قیمت ہے یہ

تمہید اپنے مقصد کو عجیب طور پر پورا کرتی ہے کیونکہ رسول کو خداوند کے ساتھ تعلق کی نسبت سے ہی جانا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق یہ تھا کہ وہ اپنے آقا کا تابعدار بندہ ہے۔

مسیح، پولس رسول کی زندگی کا پروگرام مرتب کرتا ہے اور وہ اُس پر چلنے کے لیے رضامند ہے۔ غلام ہمیشہ کے لیے نوکر ہوتا ہے۔ وقتی مسیحی خدمت یعنی کہ کسی اچھے موقع کے رونما ہونے تک کوئی خدمت کرتے رہنا بُری چیز ہے اور یہ ایسی خدمت ہے جو پولس رسول کے ذہن میں ہرگز نہ تھی۔

پولس رسول ہونے کے لیے بُلایا گیا تھا، یعنی ایک ایسا شخص جس کو کوئی پیغام دینے کے لیے نامزد کیا گیا ہو۔ (۱:۱)۔ یہ پیغام اُس کے اور رومی مسیحیوں کے درمیان ایک کڑی بن جاتا ہے۔ پولس رومی کلیسیا کو ایسے لکھتا ہے جیسے کہ وہ اس کام کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

بشارت کے لیے مخصوصیت (۱:۱) عین تبدیلی کے وقت جو خدمت اُس کے سپرد کی گئی، وہ خوشخبری سُنانے کا کام تھا (اعمال ۲۶:۱۷)۔ بعد ازاں وُہ ایک خاص طریقے سے برنباس کے ساتھ بشارت کے کام کے لیے مخصوص کیا گیا (اعمال ۱۳:۲)۔ یہ خط جس کا ہم مُطالعہ کر رہے ہیں، پولس رسول اس سپرد کردہ خدمت کو انجام دینے کے لیے لکھ رہا ہے۔ "مخصوص" کا لفظ اُس قربانی کو صاف طور پر ظاہر کرتا ہے جو کہ اُس سے طلب کی جاتی ہے، یعنی ہل پر ہاتھ رکھ کر اُسے

پیچھے نہیں دیکھنا ہے۔

پولس رسول کی بشارت (۱:۳-۷)۔ پولس رسول بتاتا ہے کہ خوشخبری کا مطلب کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ خدا کا فرمایا ہُوا کلام ہے، جس کا نبیوں کی معرفت پہلے سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہاں، جب گناہ انسانی دل میں داخل ہُوا تھا تو خدا نے مخلصی کا وعدہ فرمایا تھا (پیدائش ۳:۱۵؛ افسیوں ۱:۴، اور مکاشفہ ۱۳:۸ بھی دیکھیں۔ خدا کی یہ خوشخبری ہمارے خداوند یسوع مسیح کے متعلق ہے (۱:۳)۔ پیدائشی لحاظ سے یسوع کا تعلق یہودی نسل سے تھا۔ اور یہ مناسب بھی تھا، کیونکہ خدا نے اُس قوم کو بُلایا اور اپنا بنانے کے لیے برگزیدہ کیا تھا اور ان کے ساتھ خاص وعدے کر رکھے تھے۔ تاہم یسوع مسیح نہ صرف یہودی نسل سے تھا بلکہ اُس کا تعلق تمام بنی نوع انسان کے خاندان سے بھی ہے۔ وہ ہم میں سے ہے اور ہم سب اس کو اپنا کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ اُسے ملک بہ ملک جاننے لگتے ہیں، تو وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کا اپنا ہے۔ یسوع مسیح جو کہ خدا کا تجسم ہے، انسانوں میں انسان ہے، مگر یہ کہہ دینا کہ مسیح خدا کا مظہر ہے مکمل بات نہیں ہے گو مسیح انسان ہے، لیکن صرف انسان ہی نہیں وہ خدا کا بیٹا بھی ہے۔

کیونکہ وُہ خدا کا بیٹا ہے اس لیے اُس کی اُلوہیت واضح ہے (۱:۴)۔ یہ الٰہی فرزندیت تین طرح سے بیان کی گئی ہے۔

(۱) قدرت سے: جب مسیح نے خدمت شروع کی، تو بھیڑ اُسے

ناصرت کا نبی کہتی تھی۔ لیکن انجیل نویس (خاص کر متی اور مرقس، متی ۵ : ۲۹ ؛ مرقس ۱ : ۲۲) متواتر ذکر کرتے ہیں کہ لوگ اس کی قدرت اور اختیار سے حیران تھے جو کہ فقیہوں اور فریسیوں سے یقیناً زیادہ تھے۔ ہم عام طور پر رُوح القدس کو قوت کا سبب تصور کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طاقت پاکیزگی پر مبنی ہے۔

(۲) پاکیزگی کی رُوح کے مطابق :۔ اُس کی قدرت کا اظہار آخری انجام نہیں ہے بلکہ یہ اُس کی پاکیزگی کا مددگار ہے یہاں تک کہ وہ دُکھ اور موت قبول کر لیتا ہے۔

(۳) مُردوں میں سے زندہ ہونے کے ذریعے : مسیح مُردوں میں سے زندہ ہونے کے بعد خُدا کا بیٹا نہیں بنا بلکہ اُس کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا تو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے خُدا کا بیٹا تھا اور اب بھی ہے۔ مسیح کا مُردوں میں سے زندہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ خُدا کو اپنے تمام دشمنوں پر غلبہ حاصل ہے، لیکن زندہ ہونے کے بعد مسیح نے صرف اپنے شاگردوں پر اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ اس بات سے خُدا کی حکمت ظاہر ہوتی ہے۔

انجیل کی بشارت ہر ایک انسان کے لیے ہے : (۱ : ۵-۶)۔

ہر ایک انسان میں رُومی بھی شامل ہیں۔ خُدا کے حضور رُومیوں کا کوئی خاص لحاظ نہیں ہے، اور نہ ہی نجات کے بارے میں اہلِ رُومہ کا بڑا اور عظیم الشان نام کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ اُن کو بھی نجات فضل ہی سے

ملے گی جیسے کہ کسی غیر معروف دیہاتی کلیسیا کو ملی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ رومہ میں رہائش رکھنا کوئی معیوب بات ہے۔ اور نہ تو رُومی سلطنت کے دارالحکومت کی دنیاداری یا بدکاری انجیل کے لیے رکاوٹ ہے اور نہ اس عظیم شہر کا فخر و غرور خداوند کے حلیم شاگردوں کی رفاقت میں مانع ہے۔ پولُس رسُول انہیں خداوند کے بلائے ہوئے کہتا ہے "مُقدس ہونے" کے لیے بلائے ہوئے یعنی کہ خُداوند کی رفاقت کی وجہ سے مُقدس بنے ہوئے۔ کلام کا یہ حصّہ دوسری طرح سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ "مُقدس" سے مُراد وُہ لوگ نہیں ہیں جن میں کوئی مذہبی وصف ہے، بلکہ جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے وُہ لوگ ہیں جو مسیح کے مخلصی دینے کی وجہ سے گناہ سے چھڑائے گئے اور خداوند سے رفاقت رکھتے ہیں۔ پولُس رسُول اپنی تسلیمات کو دو خیالوں سے ختم کرتا ہے یعنی فضل اور اطمینان (۱ : ۱-۷)۔

سامی (مشرقِ وسطیٰ اور مصر وغیرہ) ممالک میں آج کل بھی "اطمینان" اور "سلامتی" کے الفاظ استعمال کر کے سلام کرنے کا عام طریقہ ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں "سلام" کہتے ہیں، جو عربی لفظ ہے اور عبرانی لفظ "شالوم" سے نکلا ہے۔ جب کہنے والے کو اس کے معنی کا پتہ ہو تو یہ سلام کا ایک خوبصورت انداز ہے، تاہم یہ دُعائے خیر سے زیادہ مطلب نہیں رکھتا۔ لیکن اس پیرے میں اس کا مطلب سلام سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ ایک نعمت ہے جو کہ "فضل" کے لفظ پر مبنی ہے۔ خُدا ہمارے نزدیک آ گیا ہے اور ہمارا اپنے سے میل ملاپ کر لیا ہے، اس لیے "سلام" ایک حقیقت ہے، یعنی خُدا سے

میل ملاپ، اپنے دل میں تسلّی اور بنی نوعِ انسان سے میل ملاپ۔

ب۔ پولُس رسُول کا رُومی کلیسیا سے تعلّق ۱:۸-۱۵

سب سے پہلے پولُس رسُول کا رُومی کلیسیا سے تعلّق دُعا کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔ اس نے انہیں تاحال دیکھا تو نہیں، لیکن ان کے لیے دُعا بہُت کی ہے۔ اِس اہم مرکز یعنی دارالحکومت کے مسیحیوں کی یاد اُسے ستاتی رہی اور یہ یاد دُعاؤں میں تبدیل ہوگئی۔ سب سے پہلے اس کی دُعا شکرگزاری کی دُعا ہے۔ وہ اِس لیے کہ کلیسیا قائم ہو چکی ہے، خُداوند مسیح کا نام لیا جا رہا ہے اور انجیل جلیل کی منادی کی جا رہی ہے۔

اُس کی ملاقات کی تمنّا اور اس کا تہرا مقصد۔

(۱) پولُس رسُول کا رُومی کلیسیا سے ملنے کا پہلا مقصد یہ تھا کہ ان کو کوئی رُوحانی نعمت دے، یعنی اپنے تجربے اور معرفت کے قیمتی خزانے سے اُن کی رُوحانی طور پر مدد کرے۔

(۲) دُوسرا مقصد انہیں تسلّی دینا تھا۔

(۳) تیسرا مقصد بشارت دینا، کیونکہ وہ یُونانیوں اور غیر یُونانیوں ہر دو کا قرض دار ہے۔

وہ صرف اپنی ہی جگہ اور اپنے ہی علاقے سے دلچسپی نہ رکھتا تھا، بلکہ خُدا کے کام کے لیے اُسے دنیا بھر سے اُنس تھا۔ خُداوند کے کام سے مشترکہ وفاداری باہمی ہمدردی پیدا کر دیتی ہے اور اس سے ذاتی طور پر واقف ہونے کی

خواہش بھی اچھل پڑتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی مسیحی زندگیاں اس وجہ سے پژمُردہ ہو جاتی ہیں کہ لوگ ان ایمانداروں سے جو کہ ان سے کلیسیائی اور معاشرتی لحاظ سے کم رتبہ کے ہیں مدد قبول کرنے میں رضامندی اور انکساری ظاہر نہیں کرتے۔ یہ بہت ہی ناخوشگوار بات ہوگی اگر کوئی گریجوایٹ اپنے پاسٹر سے کہے کہ "میری تعلیم آپ سے زیادہ ہے میں آپ کی نصیحت قبول نہیں کر سکتا۔" اور اسی طرح یہ بھی جائے افسوس ہے کہ ایک خادم الدین یا مشنری دونوں ہاتھوں سے "رُوحانی نعمتیں" لُٹاتا پھرے لیکن اپنے رُوحانی غرور اور تکبّر کے باعث جن کو تعلیم دیتا ہے اُن سے کچھ نہ سیکھے۔

کیا یہ حیران کن امر نہیں کہ کیوں پولُس رسُول کو جو یہودی نوشتوں کا عالم تھا غیر یہودیوں کو بشارت دینے کے لیے مقرر کیا گیا، اور اُسے یروشلیم یا کم از کم کسی دوسرے یہودی مرکز مثلاً سکندریہ میں جو کہ مصر میں ہے کیوں نہ مقرر کیا گیا؟ ایشیائے کوچک کے غیر یہودی جو کہ شریعت سے واقف نہ تھے اور جن کے درمیان پولُس رسُول کی شریعت سے گہری واقفیت زیادہ سُود مند نہیں ہو سکتی تھی، کیا وہ ان کے پاس جا کر اپنی قابلیت کو ضائع نہیں کر رہا تھا؟ لیکن پولُس رسُول کے نزدیک ایسا نظریہ سراسر بے وقعت تھا۔ اُسے خدمت سونپی گئی تھی اس لیے وہ ہر ایک کا قرضدار تھا۔

۲۔ پیغام: ایمان کے وسیلہ سے نجات ۱:۱۶-۱۷۔

"میں انجیل سے شرماتا نہیں"۔ پولُس رسُول اہلِ یہود کی شریعت

اور راستبازی کے بارے میں سرگرمی سے خوب واقف تھا لیکن وہ موعودہ مسیح کی خوشخبری دینے سے ہرگز نہیں شرماتا جو کہ شریعت کا انجام ہے۔ (۱۰:۴)۔ گو وہ یونان کی دانائی، تہذیب اور آرٹ کی خوبصورتی سے آگاہ تھا مگر وہ نجات دہندہ کی جس کی نہ "کوئی شکل وصورت ہے نہ خوبصورتی" اور جو معصوم بچوں سے حمد کا خواہش مند ہے خوشخبری دینے سے بالکل نہیں جھجکتا۔ اُن ایام میں رُومہ مندروں، جادوگروں اور مذہبی علما سے بھرا پڑا تھا۔ کیا پولس رسُول کو یقین تھا کہ وہ اِن کا مقابلہ کرسکتا ہے؟ لیکن وہ مقابلہ ہرگز نہیں کرتا۔ وہ اپنی خوش بیانی پر ناز نہیں کرتا، نہ اپنی گہری عارفانہ سمجھ پر فخر کرتا ہے اور نہ ایک شاندار طرزِ عبادت کو منظرِ عام پر لانا چاہتا ہے۔ لیکن اس خوشخبری میں جو وہ دیتا ہے خدا کی نجات دینے والی قدرت ہے۔ شاید بعض مرتبہ ہمیں یہ احساس ہو کہ جو رُوحانی نعمتیں دوسروں کے پاس ہیں ہمارے پاس نہیں۔ لیکن کوئی انسان روحانی نعمتوں یا طاقت سے نجات نہیں پا سکتا۔ موت ان تمام چیزوں کو ملیا میٹ کر دے گی۔ انسان جو کہ موت کے چنگل میں ہے اس خدا وند کے بغیر جس کے پاس موت اور جہنّم کی کنجیاں ہیں بچ نہیں سکتا۔

انجیل مُقدّس میں خُدا نے کلام کیا ہے، اور اپنی "قدرت" کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہمارے قریب آگیا ہے، اس لیے خوشخبری میں ہمارے لیے نجات ہے۔ سوال یہ ہے کہ انجیل مُقدّس کو قبول کیسے کرنا ہے؟ ایمان سے۔ خُدا نے جو کچھ انسان کی خاطر کیا ہے اس کو قبول کرنے کا نام

ایمان ہے۔ یعنی اس کی بخشش کی قبولیت۔ ایمان اُس بھروسے کا نام ہے کہ خُدا کے وعدے برحق ہیں اور عمل کرنے کے لائق ہیں۔ ایمان کا مطلب یہ بھی ہے کہ وعدہ کرنے والے پر بے حد اعتماد ہے۔ سو ایمان تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب کہ خُدا نے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہو۔ اگر انسان نے خُدا کو جانا ہی نہ ہو تو اُس پر بھروسہ کیسے کرے گا؟ لیکن انجیل مُقدّس کے وسیلہ سے خُدا نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا ہے۔ اس لیے ہر ایک انسان ایمان کے ذریعہ سے بچ سکتا ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا غیر یہودی۔ انسان جس راستبازی کو اپنی مذہبی کاوش سے تلاش کرتا رہا مگر محرُوم رہا، خُدا نے اس کا اپنی قدرت سے اظہار کر دیا ہے۔

پولس رسُول اس جگہ ایک ایسی حقیقت پیش کرتا ہے جو ہمارے احساس اور جبلّت کی ضد ہے۔ چونکہ انسان کو اس بات کا احساس ہے کہ اس کا دارومدار خُدا پر ہے، اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنا کچھ نہ کچھ خُدا کو دیتا ہے۔ اور اگر اُسے اپنی بُرائی کا احساس ہو تو وہ اور زیادہ دیتا ہے تاکہ راستبازی حاصل ہو۔ لہٰذا "فطری مذہب" انسان کا خُدا کے لیے ایک کام ہے یعنی ایک ہدیہ جو انسان خُدا کو پیش کرتا ہے۔ لیکن پولس رسُول ایک بالکل مختلف بات پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ راستبازی جس سے نجات حاصل ہوتی ہے خُدا کی راستبازی ہے نہ کہ انسان کی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ نجات خُدا کی بخشش ہے (دیکھیں افسیوں ۲:۸)۔ یہ نجات ہر ایک ایمان لانے

والے انسان کے لیے ہے (۱: ۱۶) ۔"ایمان سے اور ایمان کے لیے"۔ ایمان سے مراد حاصل کرنا ہے (افسیوں ۲: ۸) اور خدا کی راستبازی کی نعمت حاصل کرنے سے ہم اور نعمتیں حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور یوں ایمان ایک ایماندار کی زندگی بن جاتا ہے۔

انسان کا خدا کی قدرت کے وسیلہ ایمان سے راستباز ٹھہرنا اس خط کا مضمون ہے۔ یہ کوئی نیا اعتقاد نہیں ہے۔ جب بھی مسیح نے کسی کی مدد کی یا شفا دی تو اس نے پوچھا "کیا تم کو اعتقاد ہے" (متی ۹: ۲۸)؟ لوگوں کی کم اعتقادی ایسی حالت پیدا کر دیتی ہے جس میں خداوند بحیثیت ایک نجات دہندہ کے اپنا کام نہیں کر سکتا (مرقس ۶: ۴-۵؛ یوحنا ۱۱: ۲۷)۔ اور جیسے خداوند مسیح کرتا تھا ویسے ہی رسول کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو خداوند پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہیں (دیکھئے اعمال ۲: ۲۷-۲۹)۔ پولس رسول یہ تلقین بڑے اعتماد سے کرتا ہے کیونکہ اس نے یہودی ہو کر شریعت کی نسبت خوشخبری میں بہت کچھ پایا ہے۔ اُسے خدا کا ایسا اطمینان ملا ہے جو دنیا نہیں دے سکتی۔

یہ حقیقت کہ نجات صرف ایمان ہی سے ہے غیر مسیحی مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ وہ نجات جو خدا کی طرف سے پائی جاتی ہے۔ وہ نجات جو خدا کی طرف سے دی جاتی ہے انسان کی عام توقعات کے مطابق نہیں ہوتی اور نہ ہی انسانی خیالات میں کبھی اس کی توقع تھی۔ یہ تو عالم بالا سے ملتی ہے یہی نہیں کہ اس کا مکاشفہ ہوا ہے بلکہ اس کا مکاشفہ مسلسل جاری ہے۔ ہم

میں سے ہر ایک ایمان حاصل کرتا ہے اور یہ خدا کے مکاشفے سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ راستبازی بخش رہا ہے، اور وہ اس لیے، تاکہ اس کے اور انسان کے درمیان صحیح رشتہ قائم ہو سکے۔

پھر پولس رسول ۱: ۱۸-۳: ۲۰ میں اس انسان کی حالت بیان کرتا ہے جس کو نجات کا تجربہ حاصل نہ ہوا ہو، اور اس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کو خدا کی راستبازی کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کی نشاندہی کے بعد وہ اس نجات کی تفسیر کرتا ہے جس کا ذکر آیت ۱۶ میں پایا جاتا ہے۔

۳- پہلا بڑا موضوع راستباز ٹھہرنا ۱: ۱۸-۵: ۲۱-

ا- انسان اپنی کوشش سے نجات حاصل نہیں کر سکتا ۱: ۸-۳: ۲۰-

(۱) غیر یہودیوں کی ناکامی ۱: ۱۸-۳۲-

فی زمانہ خداوند کا غضب اس طریقہ سے کام کر رہا ہے کہ چھپ نہیں سکتا (۱: ۱۸)۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے تعلیم دی تاکہ وہ اس کا مدعائے محبت بن جاتا ہے۔ پولس رسول اس بات کا انکار نہیں کرتا کہ دنیا کی چیزوں سے خداوند تعالیٰ کی محبت ظاہر نہیں ہوتی، لیکن

وہ ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ خُدا کا غضب کا نی حد تک برپا ہے۔
"جو حق کو ناراستی سے دبائے رکھتے ہیں" اُن پر خُدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ یہاں ہمیں یاد دلایا گیا ہے کہ کچھ ایسے انسان بھی ہیں جو سچائی پر پردہ ڈالتے ہیں اور اُسے مٹانا چاہتے ہیں۔ دیکھنے کے لیے اُن کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ سچائی سے آنکھیں دوسری طرف پھیر لیتے ہیں، سچائی کو غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں اور نہ ماننے کے لیے بہانے تراش لیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اُن کے دلوں پر ناراستی کی حکمرانی ہے۔ پُرانا عہد نامہ اس حقیقت کی تصویر کو عموماً ناراست ججوں کی مثال دے کر بدیں الفاظ پیش کرتا ہے کہ وہ "رشوت لے کر شریروں کو صادق اور صادقوں کو ناراست ٹھہراتے ہیں" (یسعیاہ ۵ : ۲۳)۔ کیا جج سچائی نہیں دیکھتا؟ ہاں، وہ دیکھتا تو ہے لیکن اُسے بے اثر بنا دیتا ہے کیونکہ شریر اُسے رشوت دیتے ہیں۔ اس ناجائز لین دین کو رشوت کہتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی رشوت ہے وہاں کوئی بنیادی خرابی ہے جو کہ خُدا کی برکت کو روک دیتی ہے، اور خُدا کا غضب نازل کرتی ہے۔

غیر یہودی سچائی کو دباتے ہیں (۱ : ۱۹ - ۲۰)۔ لیکن کیا اُنہوں نے کبھی سچائی کو جانا بھی ہے؟ اگر ان کی لاعلمی ایک مجبوری امر ہے تو وہ ذمہ دار کیسے ٹھہرائے جا سکتے ؟ پولُس رسُول کہتا ہے کہ اُن کی لاعلمی مجبوری نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ خُدا انسان کو نظر نہیں آتا یعنی دوسری چیزوں کی طرح براہِ راست نظر نہیں آتا۔ لیکن بطور تخلیق یہ دنیا اور دنیا کی پیدائش

سے بنی نوعِ انسان کی تاریخ، اُس ذاتِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ انسان اُسے جان سکتا ہے بلکہ جانتا بھی ہے۔ کیا یہی اُن انسانوں سے جو اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں اپنے حقیقی خُدا کے بارے میں آزادانہ گفتگو نہیں کر سکتے؟ اُنہیں احساس ہے کہ جو دیوتا اُنہوں نے بنا رکھے ہیں وہ حقیقی نہیں، اور جیسے ہندو مت کا عقیدہ ہے "مایا" سے مرکّب ہیں۔ بنی نوعِ انسان جانتے ہیں کہ خُدا انسان نہیں اور وہ اِس کی بے پناہ قدرت اور الُوہیّت سے بھی واقف ہیں۔ ہم خُدا کو بادشاہ کہتے ہیں، لیکن وہ صرف ایک ایسا بادشاہ ہی نہیں جو زبردست ہے اور دنیا کے بادشاہوں سے شان و شوکت میں بڑھ کر ہے۔ وہ ایسا خُدا ہے جو تمام دُنیوی طاقت، نظام اور اصولوں کا منبع ہے۔ خُدا زندگی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خُدا انسان کی سی زندگی رکھتا ہے۔ خُدائے تعالیٰ تمام زندگی کا منبع ہے۔ یاد رکھئے کہ ہماری زندگی تبھی گزارنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کا اتحاد خُداوند سے ہو۔

ذاتِ الٰہی کا خیال تو ترک نہیں ہو سکتا، لیکن انسانی تصورات باطل ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے برگشتگی اختیار کی اور سچائی سے منحرف ہو کر بیکار بن گئے ہیں۔ لوگ خُدا کے بارے میں بات چیت تو کرتے ہیں لیکن اُس تک پہنچتے نہیں۔ وہ دکھاوے کی عبادت کرتے ہیں اور خُدا ایسی عبادت رد کر دیتا ہے۔ وہ خُدا کے متعلق عقیدے پیش کرتے ہیں، روایات بتاتے

ہیں اور یوں سچائی کی روشنی مدھم ہی مدھم ہوتی جاتی ہے ۔ رسُول یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ "وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بیوقُوف بن گئے" (۱: ۲۱-۲۲)۔

مذہب کی ظاہری گراوٹ کا نتیجہ ۲۳ ویں آیت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اُنہوں نے "غیر فانی خُدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا"۔ انسان خُدا کو بھی انسانی سطح پر کھینچ لاتا ہے اور مذہب انسان کی پرستش بن جاتا ہے۔ لیکن جس انسان کی زندگی میں خواہشات برسرِ پیکار ہوں، جہاں نفرت اور محبت گھُلی ملی ہوں، جہاں بے رُخی اور شفقت ہمرکاب ہوں، جہاں سفلی اور پست خواہشات اعلیٰ و افضل خواہشات کے ہمراہ ہوں۔ تو وہاں انسان کے لیے کیا اُمید ہو سکتی ہے! انسان کا خود پیدا کردہ مذہب اُسے ناکام بنا دیتا ہے۔ یہ اُسے پستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ اور اُسے ایک معبُود یعنی دیوتا دے دیتا ہے، جو ایک فانی انسان کے مشابہ ہے اور انسانی خواہشوں اور انسانی گناہوں کا حامل ہے۔ وہی سفلی خواہشات انسان کا الٰہی جزو تصوّر ہونے لگتی ہیں۔ مطلب یہ کہ وحشت (جیسے کہ ایک بیل میں پائی جاتی ہے) شہوت پرستی، انتقام اور ظلم کی پرستش کی جاتی ہے، اور ان خواہشات کو مختلف استعاروں سے پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے بہت سے بُت بن جاتے ہیں جو لکڑی یا پتھر سے نہیں بنتے۔

پھر پولُس رسُول دُنیا کی برگشتگی کے نتیجے کی تصویر کھینچتا ہے (۱: ۲۴-۳۲)۔ مذہبی ماحول کا انتشار اخلاقی ماحول میں بھی انتشار پیدا کر دیتا ہے ۔

پولُس رسُول نے اپنے زمانے کی اخلاقی گراوٹ کی دہشت ناک تصویر کھینچی ہے خُود غرضی اور گندی خواہش سے مغلوب ہو جانا ہی رُوحانی گراوٹ نہیں، بلکہ انسانی فطرت کا ٹیڑھا ہو جانا ہے، جو گنہگار کو انسانوں کی نظروں میں ذلیل کر دیتی (۱: ۲۶)۔ اور اپنے ضمیر کے سامنے مجرم ٹھہراتی ہے۔ یہ انسانوں کا اپنا ہی بگڑا ہُوا ارادہ ہے جو اُن سے ایسے شرمناک کام کرواتا ہے۔ اِس کی ذمہ داری خود اُن پر ہے۔ لیکن پولُس رسُول اس میں خُدا کی سزا کی جھلک پاتا ہے جس کو انہوں نے ترک کر دیا ہے۔ پس "خُدا نے بھی اُن کو ناپسندیدہ عقل کے حوالے کر دیا" (۱: ۲۸)۔ مزید دیکھئے ۱: ۲۴ اور ۲۶ اور مقابلہ کریں زبُور ۱۰۶: ۲۰۔ بداخلاقی اور بُت پرستی کے درمیان کتنا دہشت ناک تعلق ہے۔ ۳۲ ویں آیت میں پولُس رسُول اسی بات پر زور دیتا ہے کہ انسان جان بُوجھ کر گناہ کرتا ہے اور دُوسرے گناہ کرنے والوں کی تعریف بھی کرتا ہے۔

(۲) یہُودیوں کی ناکامی ۲: ۱-۳: ۸

اِنسان گناہ سے بے خبر نہیں ہے۔ گناہ کی ہولناکی بہت نفرت انگیز ہے، اُس کی تباہی عیاں ہے اور اس کے اثرات بہت خطرناک ہیں۔ جب اِنسان گناہ کی عدالت کرنے بیٹھتا ہے تو اُسے مجرم ٹھہراتا ہے۔ جیسے گناہ عالمگیر ہے ویسے ہی اُس پر فتویٰ بھی عالمگیر ہے۔ گناہ کے ہولناک اثرات کو روکنے کے لیے، دنیا کی ہر قوم نے تعزیرات

یعنی قوانین فوجداری مرتب کر رکھے ہیں۔ پولس رسول کے الفاظ دل کو لرزا دیتے ہیں "اے الزام لگانے والے! تو کوئی کیوں نہ ہو تیرے پاس کوئی عذر نہیں"۔ دوسروں پر الزام لگانے سے ہم اپنے آپ کو راستباز نہیں ٹھہرا سکتے۔ برعکس اس کے ہم اپنے جرم کو پکا کر لیتے ہیں۔ "کیونکہ جس بات کا تو دوسرے پر الزام لگاتا ہے اُسی کا تو اپنے آپ کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ اس لیے کہ تو جو الزام لگاتا ہے خود وہی کام کرتا ہے" (۲:۱)۔

پولس رسول کو یقین ہے کہ یہودی مانتے ہیں کہ خدا عدالت میں برحق ہے (۲:۲)۔ لہٰذا وہ زور دیتا ہے کہ عدالت یقینی ہے (۲:۳)۔

خدا کی یہودی قوم پر نگاہِ شفقت انہیں عدالت سے مستثنیٰ نہیں کر دیتی۔ اس کا تحمل اس کے صبر کی وجہ سے ہے تاکہ اُن کی توبہ تک نوبت پہنچے (۲:۴)۔

مسلسل حملے کر کے پولس رسول اپنے آپ کو راستباز ٹھہرانے والوں اور خدا کی شفقت اور مہربانی کی غلط تفسیر کے قلعہ کو مسمار کر دیتا ہے (۲:۴-۵)۔ عدالت میں خدا کی غیر جانبداری پر زور دیتا ہے (۲:۶-۱۶) اور یہودیوں کے خاص گناہ کو منظرِ عام پر لاتا ہے (۲:۱۷-۲۹)۔

پولس رسول خدا کی غیر جانبداری پر زور دیتا ہے۔ ہر ایک انسان کو خدا اس کے کاموں کے موافق بدلہ دے گا اور ہر نیکی کرنے والے

کو جزا بخشے گا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا منصف ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف سزا ہی دیتا ہے۔ وہ نیک کاموں کو نظرانداز نہیں کر دیتا (۲:۱۰)۔ جو ثابت قدمی سے اُس کے جلال کے طالب ہیں وہ انہیں ہمیشہ کی زندگی بخشے گا۔ نیک کام انسانی پیمانے سے نہیں ناپے جاتے اِن اُن کا فیصلہ کرنے والا تو خدا ہی ہے، کیونکہ وہ دلوں اور گُردوں کو جاننے والا ہے۔ پارسائی کے پردے میں خودپسند اور حقیقت میں خدا کے جلال کے خواہشمند ہونے میں صرف خدا ہی امتیاز کر سکتا ہے۔ جو انسان حقیقت میں مخلص ہے اور خدا کے جلال کے لیے اپنے کاروبار میں دیانتدار ہے، وہ جانتا ہے کہ اُس کی زندگی میں اگر کوئی چیز قابلِ قبول ہے تو وہ محض خدا کے فضل کا نتیجہ ہے۔

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جو سچائی کی تابعداری نہیں کرتے اُنکی عدالت سخت ہوگی (۲:۱۲)۔ خود رائے انسان کے ارادے خواہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں، لیکن چونکہ وہ نصیحت اور ہدایت سے انکار کرتا ہے لہٰذا وہ اپنی نیکی کی مقدار کو کم کر دیتا ہے۔ فرض کیجیے کہ محنتی مسیحی پیشوا ہے جو صبح سے لے کر شام تک ہمہ تن مصروف رہتا ہے لیکن وہ صرف اپنے ہی طریقۂ کار پر عمل کرتا ہے۔ چونکہ وہ نصیحت و ہدایت کو قبول کرنے کو تیار نہیں لہٰذا وہ اپنی سُود مندی کو کم کر دیتا ہے۔

کیا ہم سچائی کی تابعداری کرتے ہیں؟ دراصل ہم خداوند سے برکتیں حاصل کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور بہت سے سبب پیش کرتے

ہیں جنہیں ہماری خود غرضی اور غرور فوراً مہیا کر دیتے ہیں، لیکن خُدا کی آواز کو سُننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہمارا روز مرّہ کا معمول ہر روز بجائی کی نافرمانی کا معمول بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دُعا ہی کو لیں۔ کِسی کی مسلسل دُعائیہ زندگی ہے؟ ہم جتنا کم خُدا کی آواز کو سنتے ہیں اتنا ہی زیادہ ناراستی کی تابع فرمانی کرتے ہیں۔ ذرا سوچیئے کہ ہم آزمائشوں کا کتنا کم مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کوئی دنیاوی نفع کا سوال ہو یا انتقام لینا ہو تو ہم کتنے مستعد ہو جاتے ہیں۔ شریعت کی واقفیت کافی نہیں (۲: ۱۳)، بدلہ تو اس بات کا ملتا ہے کہ انسان کہاں تک شریعت پر عمل کرتا ہے۔ یہودیوں کے پاس تو شریعت تھی۔ لیکن غیر یہودیوں کی عدالت کس معیار کے مطابق ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی شریعت ان کے دلوں پر لکھی ہوئی تھی (۲: ۱۵)۔ یہ یقینی بات ہے کہ غیر یہودی بھی گواہی کے بغیر نہیں ہیں۔ ان کے پاس بھی ضمیر ہے۔ وہ نیک و بد میں امتیاز کرنا جانتے ہیں، نیکی کو سراہتے ہیں اور بدی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ حالانکہ اپنے عمل سے بدی کو قبول بھی کر لیتے ہیں۔ جانچنے کے لیے ایک ٹھوس معیار ہے، یعنی ہمارے اعمال۔ خُداوند مسیح ہر ایک چیز کو بے نقاب کر کے انصاف کرے گا (۲: ۱۶)۔

یہودیوں کی حالت صاف صاف بتا دی گئی ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ خاص عنایات جو خُدا نے یہودیوں پر کی ہیں اس بات کو ثابت نہیں کرتیں کہ اہلِ یہود میں گناہ نہیں پایا جاتا یا اُن کے بارے

میں گناہ کی ہولناکی کم ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خُدا غیر جانبدار منصف۔ پھر قیاس کیجئے کہ یہودیوں کی کیا حالت ہوگی؟

پولُس رسُول یہودی مذہب کی ایک خوبصورت تصویر کھینچ کر اپنے بیان کا آغاز کرتا ہے۔ دراصل وہ یہودیوں کی اُس رائے کو جو وہ اپنے متعلق رکھتے تھے پیش کرتا ہے، اور اُس کی بنیاد وہ مہربانیاں ہیں جو خُدا نے اُن پر کی تھیں۔ سب سے بڑی نعمت جو خُدا نے اپنے لوگوں کو دی وہ اس کی شریعت تھی، جس میں اُس نے فرمایا کہ نیکی کیا ہے؟ اور وہ انسان سے کیا طلب کرتا ہے۔ یہودی اس شریعت کی تعظیم کرتے، اُس کی تلاوت کرتے اور غیر یہودیوں کو سکھاتے تھے۔

پولُس رسُول یہ سب کچھ تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ شریعت کا جاننا روشنی بخشتا ہے لیکن اس سے کیا حاصل جب کہ یہ روشنی خود یہودی قوم کے سیاہ کاموں کو ظاہر کرنے کا سبب ٹھہرے۔ کیا یہودی جو شریعت کو جانتے اور اس پر فخر کرتے، اُس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ فتویٰ یہ ہے کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

پولُس رسُول یہاں پھر یہودیوں کی خوش فہمی پر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے، کیا تُو چوری نہیں کرتا؟ کیا بد دیانتی اور گندی باتیں یہودیوں میں نہیں پائی جاتیں؟ کیا یہودی قوم میں کوئی ایسا طبقہ تھا جس نے یہ چیزیں سُنی تک نہ تھیں؟ نہیں ان میں کوئی ایسا طبقہ نہ تھا، اور نہ ہی کلیسیا میں ایسا کوئی طبقہ ہے جہاں رسوا کن باتیں موجود نہ ہوں، جہاں دل خراش

تفتیش کی ضرورت نہ پڑتی ہو، جہاں ایسا کوئی شخص موجود نہ ہو جسے فوراً خارج نہ کیا جائے، اور جہاں اِس اعتراف کی گنجائش نہ ہو کہ ہماری وجہ سے غیر اقوام میں خدا کی بدنامی ہو رہی ہے۔ دِل کو ٹٹولنے والا تیسرا سوال جس میں پولُس رسول شریعت کی وضاحت بیان کرتا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم ان کے وسیع مطلب کو لیں۔ "تو جو بتوں سے نفرت رکھتا ہے آپ خود کیوں مندروں کو لوٹتا ہے" "کیا آپ مندروں کو لوٹتے ہیں؟ چوری، زنا اور بے حُرمتی کے جو معنی فوجداری کی عدالتوں میں لیے جاتے ہیں وہ معنی پولُس رسُول نہیں لیتا۔ ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہیں آتا جس میں یہودیوں نے عبادت خانہ میں نقب لگائی ہو۔ لیکن انہوں نے ہیکل میں روپے پیسے کا لین دین ضرور کیا، اور اس بے حُرمتی سے نفع اٹھایا اور اس طرح سے اس جرم میں ممد و معاون ہوئے۔ یاد رکھیں کہ صرف وہی چوری نہیں جسے ضابطہ فوجداری چوری کہتا ہے۔ ایسے حسابات، عرضیاں یا تجاویز پیش کرنا جن میں اصلی اخراجات کی بجائے زائد خرچ ظاہر کیا جائے، بھی چوری ہے۔ اگر کوئی ملازم زیادہ سے زیادہ الاؤنس جتنا کہ ممکن ہو سکتا ہے لینے کی کوشش کرے تو وہ چوری کرتا ہے، اور اسی طرح اگر کوئی مالک اپنے ماتحت کو پورے حساب سے کم منظور کرنے پر مجبور کرے تو وہ بھی چوری کا مرتکب ہے۔

یہودیوں کے پاس فخر کرنے کا ایک اور سبب بھی تھا۔ پولُس رسُول اس کا ذکر ۲۵ تا ۲۹ آیات میں کرتا ہے۔ یہ تھا ختنہ جسے وہ خدا کی مقرر

کردہ رسم کہتے تھے۔ پولُس رسُول تسلیم کرتا ہے کہ اس میں فائدہ ہے، مگر فائدہ تب ہی ہے جب شریعت پر عمل کیا جائے۔ اگر شریعت کا عدول کیا جائے تو ختنہ فضول ہے۔ ایک نامختون غیر قوم جو راستبازی کی پیروی کرے اُسے مختون تصوّر کر لینا چاہیئے۔ پولُس رسُول ایک مرتبہ پھر فخر اور اپنے آپ کو راستباز سمجھنے کی مذمت کرتا ہے۔ حقیقی یہودی وہ نہیں ہے جو ظاہرا طور پر ہی یہودی ہو بلکہ وہ جو باطنی طور پر یہودی ہے۔

کیا آج کل کی کلیسیا میں حالات مختلف ہیں؟ کیا یہودیوں کی سی دلیلیں دی جاتی ہیں؟ خداوند کے فضل کے ذرائع پر بھروسہ کرنا جھوٹی سلامتی کے مترادف ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگ جاتا ہے اور فخر کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس طرح سے فضل کے ذرائع اور خدا کی محبت کے آثار بے اثر بن کر رہ جاتے ہیں کیونکہ جو ظاہرا طور پر مسیحی ہے وہ مسیحی نہیں، بلکہ حقیقی مسیحی وہ ہے جو دل سے مسیحی ہو۔

پھر پولُس رسُول دو اعتراضوں کا جواب دیتا ہے جو ایک عام آدمی کے دِل میں پیدا ہوتے ہیں (۳: ۱-۸)۔ پہلا یہ ہے کہ شاید خدا کا ارادہ نیک تھا لیکن انسان کی بے وفائی کو گوارا نہ کر سکا (۳: ۳)۔ پولُس رسول جواب دیتا ہے ہرگز نہیں۔ باوجود انسانی ناکامی کے فتح خداوند ہی کی ہے کیونکہ وہ انسانی ناکامی کو بھی اپنی فتح کے لیے استعمال کرتا ہے۔ پرانے عہد نامہ کی تواریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو یاد ہو گا کہ انسانی نار استیوں پر

خُداکو فتح ہوتی رہی۔ خُداوند نے شکیؔ یرمیاہ نبی کو فرمایا "مَیں نے تجھ سے ابدی محبّت رکھی اس لئے مَیں نے اپنی شفقت تجھ پر بڑھائی۔ اَے قومو! خُداوند کا کلام سنو! اور دُور کے جزیروں میں منادی کرو اور کہو کہ جس نے اسرائیل کو تتر بتر کیا وہی اُسے جمع کرے گا اور اُس کی ایسی نگہبانی کرے گا جیسی گڈریا اپنے گلّے کی" (یرمیاہ ۳۱ : ۳، ۱۰) لیکن دُوسرا اعتراض یہ اُٹھتا ہے جس میں انسان اپنے گناہ کو بطور بہانہ استعمال کرتا ہے کہ "گناہ خُدا کے ارادہ کو باطل نہ کر سکا۔ اِس کے برعکس انسان کا گناہ ایک عجیب طریقے سے خُدا کی محبّت کے اظہار کا موقع بن گیا۔ ہماری ناراستی خُدا کی راستبازی کو قائم کرتی ہے۔ میرے جھوٹ کے سبب سے خُدا کی سچائی اور بھی زیادہ جلالی بن گئی تو پھر کیوں گناہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے (۳ : ۵)؟ لیکن یہ انسانی نظریہ ہے۔ خُدا کی ذات کا اندازہ اس دُنیا کی حالت سے نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ یہ دُنیا گمراہ شدہ اور قصور وار ہے۔ دُنیا کو یہ حق حاصل نہیں کہ خُدا پر فتویٰ دے البتہ خُدا دُنیا پر فتویٰ دے سکتا ہے (۳ : ۳ - ۶)۔

(۳) سب کی ناکامی :- ۳ : ۹ - ۲۰۔

اب پولُس رسُول خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر تصدیق کرتا ہے کہ سب گناہ کے تحت ہیں اور یہودیوں کا خاص طور پر ذکر کرتا ہے (۳ : ۹)۔ پُرانے عہد نامے میں یہ کلام کا کچھ حصّہ پیش کر کے ثابت

کرتا ہے کہ شریعت جس پر یہودی فخر کرتے ہیں ان پر فتویٰ عاید کرتی ہے۔ باوجود یہودی ہونے کے اُن کی گمراہی کی یہ تاریک ترین تصویر ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کے اعمال سے کوئی بھی راستباز نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ شریعت کے وسیلے سے تو صرف گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے (۳ : ۲۰)۔

کیا اکیلا پولُس ہی ہے جو انسانی فطرت کا ایسا تاریک پہلو پیش کرتا ہے؟ نہیں۔ بعض فلسفی اور مادہ پرست بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ دونوں انسان کو مجرم تو ٹھہراتے ہیں مگر اس کا علاج نہیں بتاتے۔ لیکن پولُس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں نجات تک پہنچا دے۔

ب۔ خُدا کی راستبازی جو ایمان سے ملتی ہے

۳ : ۲۱ - ۵ : ۲۱

(۱) مسیح پر ایمان لانے سے راستبازی :- ۳ : ۲۱ - ۲۶

اب پولُس رسُول نجات پیش کرتا ہے جو کہ اس خط کا موضوع ہے (۱ : ۱۶)۔ دو اہم اصطلاحات جو استعمال ہوئی ہیں وہ "ایمان" اور "خُدا کی راستبازی" ہیں۔ "خُدا کی راستبازی" کا کیا مطلب ہے؟ یہاں راستبازی سے مُراد خُدا کی صفت نہیں بلکہ خُدا کی راستبازی کا انتظام مراد ہے، جو مسیح میں اور اس کے وسیلے ہر ایک ایماندار کو ملتی ہے۔ جب ایماندار کو وہ راستبازی ملتی ہے جو خُدا

نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے تو اُسے راستباز کہا جاتا ہے۔ ہم نے ۱:۱۹ - ۳:۲۰ میں دیکھا ہے کہ انسان خود بخود یعنی اپنے اعمال کے بل بوتے پر اس راستبازی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انجیل ایسی راستبازی کی خوشخبری ہے جو ہمیں خدا کی طرف سے مسیح یسوع میں حاصل ہوتی ہے۔ راستبازی خدا کی مُفت بخشش ہے۔

"خدا کی راستبازی" کا مفصل بیان کرنے سے پیشتر پُولس اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر انسان "خدا کی راستبازی" حاصل کر سکتا ہے (۳:۲۲)۔ یہ ہر ایک ایمان لانے والے کو مل سکتی ہے، مسیح سے پہلے، انسان اس راستبازی سے واقف نہ تھا۔ یہ راستبازی "شریعت کے بغیر" ہے، لیکن شریعت اور نبی اس کی گواہی دیتے ہیں (۳:۲۱)۔ یہ ایک نئے دور کا وعدہ ہے جو غضب کی بجائے رحم کا دور ہے (یسعیاہ ۵۳؛ یرمیاہ ۳۱)۔ معافی کا بھی ذکر ہے (زبور ۳۲: ۵۱؛ یسعیاہ ۴۰)۔ شریعت کی یہ تمام گواہی یسوع مسیح میں پوری ہو گئی ہے۔ خدا کی راستبازی کی بخشش جو مسیح یسوع کے وسیلے سے ملتی ہے، ظاہر کرتی ہے کہ خدا کو گناہ سے نفرت اور وہ ہر ایک گناہ کی مذمت کرتا ہے۔ گنہگار ہونے کی حیثیت سے انسان پر رحم کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اُس کا ایمان مسیح پر ہے، یعنی جو کچھ مسیح نے اس کی خاطر کیا ہے اُسے قبول کرتا ہے تو اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت، ایمان یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لیے تیار کیا ہے

اُسے قبول کریں۔ ایمان، یسوع مسیح کو مسلسل تکتے رہنا ہے یعنی اُس واحد شخص کو جس نے شریعت کو پورا کر کے راستباز خدا کو مطمئن کر دیا ہے۔ ایمان ایک زبردست یقین ہے کہ خدا کے بیٹے کی راستبازی ہمارے لیے ہے، اور اب مسیح کی راستبازی ہم میں سکونت کرتی ہے اور اُس نے ہمارے گناہ اٹھا لیے ہیں۔ اس لیے اپنے گناہوں کو معمولی ظاہر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اب مایوس ہونے کی ضرورت ہے۔

اب ہمیں بتایا جاتا ہے کہ مُنجّی نے نجات کے کام کو کیسے پُورا کیا۔ (۳:۲۵)۔ مُنجّی کی شخصیت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نجات کے کام میں کیا کیا پایا جاتا ہے۔ خدا نے اُسے "کفّارہ" کا سرپوش ٹھہرایا یعنی جو گناہ کو ڈھانکتا ہے۔ کفّارے کا لفظ عبرانیوں ۹:۵ میں آیا ہے، جہاں اس کا ترجمہ "کفّارہ گاہ" کیا گیا ہے۔ اس لفظ کی تہ میں یہ بات ہے کہ "جس سے خدا راضی ہو جاتا ہے"۔ مسیح کے خون پر ایمان رکھنے سے کفّارہ بااثر ہوتا ہے۔ یہ الفاظ ہمیں پرانے عہد نامہ کے رواج اور سنجیدہ طرز عبادت کی طرف لے جاتے ہیں۔ سردار کاہن سال میں ایک دفعہ پاک ترین مقام میں داخل ہوتا تھا شریعت کی لوحیں جو پاک ترین مقام میں رکھی ہوئی تھیں، بتاتی تھیں کہ خدا انسان سے کیا طلب کرتا ہے، اور اُس کی گنہگاری کی وجہ سے شریعت خدا کے غضب کا اظہار ہے۔ لیکن جس دن سردار کاہن

پاک ترین مقام میں داخل ہوتا تھا وہ رحمت کا دن کہلاتا تھا۔ کاہن کفارے کے لیے پاک ترین مقام میں داخل ہوتا تھا (احبار باب ۱۶)۔ سزا کی علامت کو ظاہر کرنے کے لیے جانور ذبح کیا جاتا تھا۔ یعنی کہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے موت کے مستحق ہیں۔ خدا اپنی لاانتہا محبت کی وجہ سے قربانی قبول کر لیتا تھا اور جانور کا خون جو عہد کے صندوق پر چھڑکا جاتا تھا "کفارہ" بن جاتا تھا۔ پولس رسول کہتا ہے کہ شریعت کی لوحیں ہنوز وہیں ہیں اور گنہگار کی سزا کے لیے مسلسل دھمکی ہیں۔ لیکن سرپوش میل ملاپ اور کفارہ کا مقام بن جاتا ہے۔ انہیں باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے پولس کہتا ہے کہ مسیح "کفارہ گاہ" بن گیا ہے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ خدا نے اُسے "کفارہ گاہ" بنایا ہے۔ مسیح کی قربانی نے خدا کو اُس کی مرضی کے خلاف انسان کی جانب راغب نہیں کیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پیار بھرے خدا نے خود قربانی دی اور اس "کفارہ گاہ" کو قائم کیا۔

اس نجات کا انتظام دُنیا کی تواریخ میں ایک خاص وقت پر یسوع مسیح کی معرفت کیا گیا۔ لیکن مسیح کے اس دنیا میں آنے سے پہلے کئی صدیاں گزر گئیں۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بے شمار انسانوں کی نجات کا انتظام جو مسیح سے پہلے تھے کیسے ہوا؟ کیا وہ خدا کے فضل سے خارج کر دیئے گئے؟ پولس رسول کہتا ہے کہ گذشتہ دنوں میں خدا نے تحمل کیا۔ اگرچہ سزا دے سکتا تھا مگر گریز کیا (پیدائش ۸: ۲۱؛ زبور ۱۰۳: ۱۰)۔ اپنے لوگوں کے لیے اس نے کفارے کو رائج کیا (احبار ۱۶)۔ لیکن برداشت

کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یا تو یہ اخلاقی کمزوری کا سبب بن جائے گی یا پھر انصاف کرنے کا انصرام کرے گی۔ لہٰذا خدا کا تحمل صرف صلیب کی روشنی ہی میں سمجھا جا سکتا ہے، جہاں تحمل اور انصاف آپس میں گھل مل گئے۔ نیز کفارے کا نشان جو پرانے عہد نامے میں پایا جاتا ہے، مسیح کے کفارے میں مؤثر حقیقت بن گیا پس صلیب آگے اور پیچھے دونوں طرف دیکھتی ہے۔ صلیب خدا کے معافی بخش اور پُر فضل کاموں کی بنیاد ہے، خواہ وہ پرانے عہد کے ہوں یا نئے عہد کے۔

پہلے باب سے تیسرے باب تک کا خلاصہ ۳: ۲۷-۳۱ میں پایا جاتا ہے۔ پولس نتیجہ نکالتا ہے کہ چونکہ یہ راستبازی اور نجات خدا کی بخشش ہے لہٰذا فخر اور شیخی کی گنجائش نہیں۔ جب ہم شیخی مارتے ہیں تو اپنے مطالبہ پر زور دیتے ہیں۔ لیکن شیخی مارنے سے خدا کے فضل کا کوئی دعوے دار نہیں ہو سکتا، بلکہ اس طرح اس کا دعویٰ کرنا اُسے رد کرنے کے مترادف ہے جہاں فضل کا سوال ہو وہاں فخر کی گنجائش نہیں (۳: ۲۷)۔

پولس نے ایمان کی نشاندہی کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ عالمگیر ہے۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ شریعت بے فائدہ ہے (۳: ۳۱)؟ ہرگز نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس سے شریعت کی حمایت ہوتی ہے "ہم شریعت کو قائم رکھتے ہیں"۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی چابی تیسرے باب کی اکیسویں (۲۱) آیت میں پائی جاتی ہے۔ "خدا کی راستبازی"۔ دوسرے لفظوں میں "نجات" کے متعلق شریعت اور انبیاء گواہی دیتے ہیں۔ ہر ایک چیز جو مسیح سے پہلے

بھی یا مسیح سے علیحدہ ہے مسیح ہی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مسیح کے بغیر کوئی چیز مکمل نہیں۔ مسیح کے بغیر کسی چیز کا مدعا اور مقصد پورا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ سچائی ہے۔

(۲) ابرہام کو راستبازی ایمان سے ملی :- ۴: ۱-۲۵

اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے کہ بغیر اعمال کے راستبازی ملتی ہے، پولس ابرہام کی کہانی کا انتخاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابرہام بنی اسرائیل کا باپ تھا۔ یہودی اپنے آپ کو ابرہام کے فرزند کہتے تھے۔ خدا نے اُسے ختنے کا نشان دیا۔ اس سے بنی اسرائیل کی تسکین ہوگئی کہ وہ خدا کے فرزند ہیں۔ اگر ابرہام کو بطور گواہ پیش کر کے یہ ثابت کر دیا جائے کہ اُسے راستبازی یعنی نجات، اعمال اور ختنہ کے بغیر حاصل ہوئی، تو ایمان کے ذریعے راستبازی کا مسئلہ از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ پولس تین نکتے پیش کرتا ہے :-

پہلا۔ آیات ۱: ۸ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پرانا عہد نامہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ابرہام محض ایمان کے ذریعے راستباز ٹھہرایا گیا " اور وہ خداوند پر ایمان لایا اور اسے اُس نے اُس کے حق میں راستبازی شمار کیا" (پیدائش ۱۵: ۶)۔

دوسرا۔ آیات ۹: ۱۷۔ چونکہ ابرہام کی راستبازی ختنے کے حکم سے پہلے ظہور میں آئی اس لیے ابرہام بحیثیت ایک غیر یہودی کے

راستباز ٹھہرا نہ کہ بحیثیت یہودی ہونے کے، اس لیے ایک غیر یہودی کا ایمان ابرہام کا ایمان ہے۔

تیسرا۔ آیات ۱۷-۲۵۔ ایمان کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ فنا سے بقا یعنی موت سے زندگی پیدا کرتا ہے۔ ایمان بذاتِ خود اتنی جامع اور مکمل شے ہے کہ اسے کسی اضافی چیز کی حاجت نہیں ہوتی۔

ابرہام ایک قابلِ تحسین ہستی تھی۔ بنی نوعِ انسان کے ساتھ برتاؤ میں وہ انتہا درجے کا بے غرض تھا اور پرہیزگاری اور خدا کی تابعداری میں بھی ویسے ہی قابل تعریف تھا۔ خداوند کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ اپنے اکلوتے فرزند ارجمند تک قربان کرنے کو تیار ہو گیا۔ لیکن ابرہام کو خداوند کی راستبازی، رحم دلی یا فرمانبرداری کی وجہ سے نہ ملی تھی۔ خداوند اپنے کلام میں کیا فرماتا ہے؟ " ابرہام ایمان لایا اور یہ اس کے لیے راستبازی گنا گیا "۔ ایک دن خداوند ابرہام پر ظاہر ہوا اور فرمایا کہ سارہ کے ہاں جلد ہی بیٹا ہو گا۔ خداوند نے کچھ کرنے کو نہیں کہا۔ اُسے صرف خداوند کے کلام پر ایمان لانے کے لیے کہا گیا۔ حقیقت ہے کہ ایمان لانے سے ابرہام نے اتنا بڑا کام کیا جو جسمانی اور ذہنی لحاظ سے بالکل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایمان لانے سے ابرہام نے تسلیم کر لیا کہ خداوند کا حق ہے کہ وہ اُس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔ ابرہام صرف ایمان لایا۔

کیا داؤد خدا کے دل کے موافق نہ تھا؟ داؤد اپنے آپ کو خدا کے رحم وکرم

پر چھوڑ دیتا ہے اور ایسی راستبازی کے لیے منت کرتا ہے جو اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ نہ تھی (زبور ۳۲)۔

ایک یہودی کہہ سکتا ہے: "اگرچہ ابرہام ایمان کی وجہ سے خدا کا فرزند ٹھہرا لیکن وہ ختنے کی وجہ سے بھی خدا کا فرزند تھا۔ ورنہ اس کا ایمان لانا فضول ہوتا"۔ پولس اس کا جواب دیتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ختنے کا درجہ اوّل ہوتا اور ایمان دوسرے درجے پر آتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایمان پہلے آتا ہے (پیدائش باب ۱۴) اور ختنہ بعد میں (باب ۱۷)۔ دوسرے الفاظ میں ختنہ یہودی نسل کو ابرہام سے منسلک کرنے کی مفید کڑی تھی۔ لیکن ختنہ بنی اسرائیل کا امتیازی نشان نہیں ہے بلکہ ایمان امتیازی نشان ہے (۴: ۱۳)۔ ختنہ بعد ازاں ایمان کی راستبازی پر مہر کرنے کے لیے دیا گیا اور اس طرح خداوند نے ابرہام اور اس کی اولاد کو بطور عہد کا نشان ختنے کا حکم دیا گیا خدا وند کے حضور راستباز ٹھہرنے کے لیے ختنہ ضروری نہیں بلکہ انسان کو ابرہام کی مانند ایمان لانا چاہیئے، جیسے وہ ختنہ ہونے سے پہلے ایمان لایا اور راستباز ٹھہرا۔ ایمان کے ذریعہ سے نجات پانے کی الٰہی تجویز میں تمام قومیں شامل ہیں۔ کیا خدا کی محبت کم ہو گئی ہے؟ کیا خدا کی طاقت محدود ہو گئی ہے؟ ایمان کچھ نہیں بلکہ الٰہی قدرت کا انعکاس ہے۔ پولس یہ بات ۴: ۱۷-۲۵ میں ظاہر کرتا ہے۔

ایمان موت سے زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

خداوند نے ابرہام اور سارہ کو اس وقت بیٹا دینے کا وعدہ کیا،

جب کہ وہ جسمانی طور پر بیٹا پیدا کرنے کے قابل نہ تھے، یعنی اس لحاظ سے وہ مُردوں کے برابر تھے۔ ابرہام سے صرف یہ کہا گیا کہ وہ خداوند کی طرف تکتا ہے جو مُردوں کو جلا دیتا ہے (۴: ۱۷)۔ ابرہام ایمان لایا تو اُن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور خدا وند کا فرمان پورا ہوا کہ "وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے، اور جو چیزیں نہیں ہیں اُن کو اس طرح بُلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں" (۴: ۱۷)۔ یہ بات روحانی موت کے متعلق بھی درست ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک کلیسیا مُردہ ہے۔ پاسبان نے خدا کا وعدہ تو سُنا ہی ہے کہ اُس میں زندگی پیدا ہوگی سو اُسے کیا کرنا چاہیئے! ایمان چیزوں کو ایسے دیکھتا ہے کہ گویا وہ موجود ہیں، لیکن اُس خداوند پر بھی نظر ڈالنی ہے جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خداوند چیزوں کو نیا بنا سکتا ہے اور ایمان کے جواب میں وہ ضرور ایسا کرتا ہے۔

ایمان کے جواب میں ابرہام کی زندگی میں خدا نے وہ قوت ظاہر کی جو زندگی بخش سکتی ہے۔ لیکن ہمیں ابرہام کی خاطر ایمان نہیں لانا ہے، بلکہ مسیح کی خاطر جو مُردوں میں سے جی اٹھا (۴: ۲۴)۔

(۳) راستبازی ایمان کا اظہار:- ۵: ۱-۵

"اپنے خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے صُلح رکھیں" (۵: ۱)۔ اس آیت کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ "ہم .... خدا کے ساتھ .... صُلح رکھتے ہیں" صُلح کے ساتھ سکون کا احساس ہوتا ہے۔ خیال کریں کہ جب جنگ ختم ہوتی

تو کتنی راحت اور چین ہوا تھا! بالآخر بُری خبروں کے خوف و ہراس
کا خاتمہ ہو گیا اور امن و امان بحال ہو گیا۔ مذہبی دنیا میں بھی بُری چیزوں
کے وارد ہونے کا خوف پایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس خوف و ہراس
کا تعلق شگون، منتر جنتر اور نجوم وغیرہ سے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ خوف و
ہراس ہمارے گناہوں کی خاطر خُدا کے انصاف کا ڈر ہو۔ یہ ڈر بہت
ہی بڑا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا جیسا کہ
وہم، تو ہمات کے قائل لوگوں سے چھٹکارے کا جھوٹا وعدہ کرتا ہے۔
لیکن ہم ایمان ہی کے وسیلے سے اپنے لیے خُدا کی محبت کو پہچانتے ہیں۔
ہمارا مُنصف ہمارا مخلصی دینے والا بن گیا ہے۔

ایماندار کی زندگی کی آخری خاصیت جس کا ذکر پولُس کرتا ہے، اُمید
ہے۔ اُمید ہمیں مضبوط کرتی ہے کیونکہ اس سے قائم رہنے کے لیے حوصلہ
افزائی ہوتی ہے۔ کیا ایسی اُمید زندگی کے نشیب و فراز کا مقابلہ کر
سکتی ہے؟ مصیبتیں اکثر انسان کے دل کو سخت کر دیتی ہیں۔ ہم جانتے
ہیں کہ جسمانی برداشت جسمانی طاقت میں اضافہ کرتی ہے۔ رُوحانی دنیا میں بھی ایسا
ہی ہوتا ہے۔ ایمان سے دُکھ اٹھانے کا پہلا پھل "صبر" ہے۔ صبر کا مطلب
یہ ہے کہ ہم مصیبت کے وقت چوٹ کھانے کے لیے اپنی پیٹھ پیش
کر دیں اور بھاگ نہ جائیں۔ ہمیں انتشار اور پیچیدگی کا سامنا کرنا پڑتا
ہے۔ لیکن ہمارا دشمن ہماری تباہی کے لیے جو کچھ کرتا ہے، وہ ہمارے
لیے خُدا کی وفاداری کا ثبوت بن جاتا ہے۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ خُدا جو

عجیب طریقوں سے ہمارے ساتھ سلوک کرتا ہے، (یا کم از کم ہمیں ایسا
معلوم ہوتا ہے) وہ محبت کا جذبہ ہے۔ ہم اُسے کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟
اسی طریقے سے کہ خُدا کو اپنے طریقے اور اپنے منشا سے کام کرنے دیں۔
اگر دُکھ اور تکلیف اس ثبوت اور تجربے کا موجب بن جاتے ہیں کہ
خُداوند ہمارے ساتھ اور ہمارے ذریعے سے کام کر رہا ہے تو ایسا
الٰہی ثبوت حقیقت میں مستقبل کے لیے بھی یقین بن جاتا ہے۔ یعنی ان
چیزوں کا یقین جو ابھی ہونے والی ہیں اور جنہیں ہم اُمید کے نام
سے پکارتے ہیں۔

پولُس جس نے معلوم کیا کہ خُدا اُسے مصیبتوں سے پختہ کرتا ہے گواہی
دیتا ہے کہ خُدا کی وہ محبت جو اُسے ہم سے ہے ہمارے دلوں میں ڈالی
گئی ہے (۵:۵)۔ یونانی میں اس کا مطلب ہے کثرت یا بہتات۔
محبت کا یہ سیلاب دُور سے راستہ بناتا ہے اور ہمارے اندر جو
کچھ ناخوشگوار ہو اُسے نکال پھینکتا ہے بلکہ ہر ایک چیز کو نیا بنا
دیتا ہے۔ "میں حیران ہوں کہ آپ نے میری والدہ کو کیا کر دیا ہے، اب
تو وہ ہر ایک کو بہت خوش رکھتی ہیں"۔ یہ الفاظ ایک بچے نے اپنے
پاسبان سے اپنی والدہ کے متعلق کہے جسے حال ہی میں نئی پیدائش ملی تھی۔

مسیح میں نجات رُوح القدس کے وسیلے سے ملتی ہے، یعنی خُدا
کے معجزانہ تبدیلی کے ذریعے۔ اس کے لیے تیار ہونے کے لیے بہترین
طریقہ دُعا ہے۔

(۴) ایمان تمام رکاوٹوں پر غالب آتا ہے :۔ ۵: ۶-۱۱

یہ صاف ظاہر ہے کہ کلام کے اس حصّہ کا باب کی پہلی پانچ آیات سے بہت نزدیکی تعلق ہے، اور اس سوال کا جو ان آیات میں دیا گیا ہے مزید جواب ہے وہ سوال یہ ہے کہ کیا ایماندار کے اطمینان میں کوئی شے خلل ڈال سکتی ہے! (۵: ۱-۵)۔ میں جواب دیا گیا ہے کہ آیا مصیبتیں کبھی ایماندار کے سکون کو ٹھیس لگا سکتی ہیں یا نہیں۔ ۵: ۶-۱۱ میں ان لوگوں سے مخاطب ہے جن کے ذہن اس اثر کے تحت ہیں کہ ایماندار میں گناہ بدستور پایا جاتا ہے۔ پولُس بحث پر اُتر آتا ہے وہ ہمارے ایمان لانے سے پہلے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تب ہم کیا تھے! "کمزور اور بے دین" (۵: ۶)۔ اگر ہم اس وقت خدا کی محبت کے لائق نہیں تو ایمان لانے سے پہلے کتنے نالائق ہوں گے۔ لیکن عین اسی وقت مسیح ہماری خاطر مؤا۔ مسیح کی محبت کا انحصار ہماری قدر و قیمت پر نہیں اور نہ اس بات پر کہ ہم مسیح کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔ ہم نے اس کی قدر نہ کی۔ ہم اس سے برسرپیکار رہے اور اس کی مدد کو مداخلت تصور کیا۔ عین اسی وقت صلیب کا پیغام ہم پر اثر انداز ہؤا اور ہمیں احساس ہؤا کہ اس نے ہماری خاطر جان دی ہے۔ جب مسیح ہمیں اس وقت جب کہ ہم اس کے دشمن تھے مُعاف کر سکتا تھا تو پھر جب ہمارا اس سے میل ملاپ ہو گیا ہے تو پھر

مُعاف کیوں نہ کرے گا (۵: ۱۰)۔ اگرچہ ہم اُسے دُکھ دینا پسند نہیں کرتے مگر ہم اُسے ہنوز دُکھ دیتے ہیں۔ ہم تا حال نکمّے نوکر ہیں لیکن وہ ہمیں استعمال کرتا ہے، تو پھر مایوس کیوں ہوں!

(۵) آدمؔ اور مسیح : ۵: ۱۲-۲۱

پولُس ہمیں بہت اُونچے مقاموں پر لے جاتا ہے۔ ہم مسیح میں ہیں لیکن آدمؔ میں بھی ہیں۔ آدمؔ بحیثیت پہلا انسان ہونے کے انسانی نسل کا نمائندہ ہے۔ آدمؔ نے گناہ کیا اور ہم سب اُس کے گناہ میں شریک ہو گئے۔ آدمؔ جسمانی طور پر مر گیا اور ایسی مَوت ہم سب کو بھی مرنا ہے ان زنجیروں کو جن سے ہم آدمؔ کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں کیسے توڑیں! پولُس جواب دیتا ہے کہ جیسے آدمؔ کے گناہ سے ہم اثر پذیر ہوئے، ویسے ہی مسیح کی فرمانبرداری بہُت سے لوگوں کے لئے کارگر ٹھہری (۵: ۱۸)۔

آدمؔ کی ناکامی سے بنی نوع انسان کی تاریخ ہی پلٹ گئی ہے۔ ہماری زندگی کا آغاز آدمؔ کی زندگی کا سا آغاز نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی کا آغاز پاکیزگی اور خالق کی یگانگت سے ہؤا تھا۔ ہم گناہ سے گھرے ہوئے ہیں اور گناہ کی طرف مائل رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بچّے بھی جو کچھ گناہوں سے مبرّا ہوتے ہیں گناہ کرنے پر فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ کمزوروں کو دق کرنے اور دُوسروں کو دُکھ دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ پھر تسلّی کہاں پائیں! خداوند کے کلام میں اور مسیح کے وعدہ میں۔ یہاں

خُدا کی راستبازی ظاہر ہوتی ہے۔ ان سب کو جو آدم کے ساتھ گناہ میں غرق ہو گئے ہیں مسیح کے وسیلے نجات کی پیشکش کی گئی ہے۔ ربّی کہا کرتے تھے کہ "آدم کا راز مسیح کے راز میں ہے۔"

آدم اور مسیح دونوں بنی نوع انسان کے سربراہ ہیں۔ آدم انسان کی جسمانی پیدائش کا سربراہ ہے اور مسیح نئے سرے سے پیدا ہونے والوں کا سربراہ ہے۔ اگرچہ ان کی قیادت میں مماثلت ہے، مگر پھر بھی حسب ذیل باتوں میں فرق ہے:۔

(ا) آدم کے گناہ سے موت واقع ہوئی کیونکہ گناہ کی سزا موت ہے مسیح کے وسیلے سے ہم دوبارہ تمام برکتوں اور حقیقی زندگی کے سرچشمے کے پاس آجاتے ہیں۔

(ب) آدم کی زندگی کا آغاز بغیر کسی رکاوٹ کے ہوا، لیکن دُنیا میں گناہ اور بگاڑ کو داخل ہونے سے نہ روک سکا۔ مسیح گناہ آلود دُنیا میں آیا اور دنیا کو خُدا کی قدرت میں بحال کر دیا۔

"کیونکہ سب نے گناہ کیا" چونکہ یہ حقیقت ہے کہ موت عالمگیر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہ بھی عالمگیر ہے۔ کچھ عالم کہتے ہیں کہ موت انسانی زندگی کا قدرتی خاتمہ ہے اور کسی اخلاقی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا جسم جس کو ہم دیکھتے ہیں اور جس سے کاروبار چلاتے ہیں ایک ایسی دنیا میں پایا جاتا ہے جہاں گناہ کا دَور دورہ ہے (۵:۲۱)۔ یہ حقیقت ہے کہ گناہ سے موت

واقع ہوتی ہے اگر گناہ دُنیا میں داخل نہ ہوتا تو دُنیا کی حالت ہی اور ہوتی۔

۴۔ دُوسرا بڑا مَوضُوع تقدّس ۶:۱-۸:۳۹

ا۔ ایماندار کے لیے پاکیزہ زندگی ضروری ہے:۔ ۶:۱-۱۵

(ا) بپتسمے کا مطلب:۔ ۶:۱-۱۱

رومیوں کا خط ایمان کی تشریح کے بارے میں ہے۔ ایسا ایمان جو اعمال کے (باب ۱-۳) اور رسم و رواج کے خلاف ہے (باب ۴) اور جس نے دنیا کی تاریخ کی تکمیل کی ہے (باب ۵)۔ یہاں اُس نجات کی جو کہ مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے حاصل ہوتی ہے تعریف کی گئی ہے۔ تمام بیان میں مسیح پر جس پر ہم ایمان لاتے ہیں زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح مسیح کے گناہوں پر فتح پانے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ایماندار کی زندگی میں فتح کے متعلق کیا کہا گیا ہے؟ یہ خیال کہ خُدا کی راستبازی حاصل کرنے کے لیے ہمیں بدی کرنی چاہیئے، اس کی تردید پہلے ہی ہو چکی ہے (۳:۸)۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک صرف ایمان ہی نجات کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ غلط فہمی بدستور رہ سکتی ہے۔

لیکن چھٹے باب میں پولُس تسلیم کرتا ہے کہ مسئلے کا حل ایمان ہی سے ہے۔ مسیح پر ایمان رکھنے کا مطلب ہے گناہوں پر فتح پانا۔ یہ وہ مکمل فتح ہے جو اخلاقی اصول نہیں دے سکتے۔ اصل میں ایمان کا مطلب ہے گناہ کے اعتبار سے مرجانا۔

گناہ بلاتا رہتا ہے لیکن ایماندار نہیں سنتا۔ وہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا، کیونکہ وہ گناہ کے اعتبار سے مرچکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اصول وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اصولوں کی ضرورت ایمان خود ہی پوری کر دیتا ہے۔ پولُس اپنے قارئین کو اس چیز کا حوالہ دیتا ہے، جس سے وہ واقف ہیں۔ یعنی وہ تجربہ جو انہیں مسیحی زندگی کے شروع میں حاصل ہوا۔ بپتسمہ ایمان کی علانیہ گواہی ہے اور ایمان کی خاصیت کا نشان بھی۔ بپتسمے سے ہم ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان کیا ہے۔ ہمیں بپتسمے کی رسم پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حقیقی ایمان کیا ہے۔

مفسرین کا اس بات پر اتفاق نہیں کہ آیا یہ آیات پانی کے بپتسمے کی رسم کے بارے میں ہیں یا رُوحُ القدس سے بپتسمہ پانے کے بارے میں جس سے ہماری نئی پیدائش ہوتی ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں خیال یہاں موجود ہوں۔

بعض مفسرین متفق نہیں کہ کلام کے اس حصہ میں بپتسمے کے طرز طریق پر زور دیا گیا ہے۔ مگر یہ بات صاف ہے کہ ہمیں گناہ کے

اعتبار سے مرنا ہے اور نئی زندگی میں جی اٹھنا ہے۔ البتہ مصنف کا خیال ہے کہ غوطے کا بپتسمہ جوکہ رسولوں کے زمانہ میں رائج تھا اس رسم کے طرز طریق کی بہترین مثال ہے۔ جب انسان بپتسمے کے پانی میں داخل ہوتا ہے تو وہ پانی میں چھپ جاتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا گویا کہ وہ مرگیا۔ یسوع مسیح ہمارے گناہوں کی خاطر مرگیا۔ چونکہ وہ ہمارے گناہوں کی خاطر مرا لہٰذا اس کی موت ہمارے گناہوں کی سزا کا حکم ہے۔ بپتسمہ کے ذریعہ سے ہم پرانی گناہ آلودہ زندگی کے اعتبار سے مرنے کا اظہار کرتے ہیں اور اس گناہ آلودہ دنیا کے اعتبار سے زندہ رہنا نہیں چاہتے جس نے ہمارے خداوند کو قتل کیا تھا۔ ہم اپنے گناہوں پر فتویٰ دیتے ہیں اور رضاکارانہ طور پر پرانی گناہ آلودہ زندگی اور نئی ایمان والی زندگی میں موت کو حائل ہونے دیتے ہیں۔ ہم گناہ کے اعتبار سے مرگئے ہیں، اس طرح سے نہیں کہ کچھ ہمارے بڑے گناہوں پر فتح پائی ہے بلکہ گناہ کے بدن ہی کو دفن کر دیا ہے۔ لہٰذا گناہ بے کار ہو چکا ہے۔ لیکن بپتسمہ صرف گناہ سے مرجانے کی علامت ہی نہیں بلکہ یہ مردوں میں سے جی اٹھنے کا نشان بھی ہے۔ جیسے ہم پانی میں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، ویسے ہی نئی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور یسوع مسیح کے وسیلے سے اس کا ہمیں یقین بھی ہو جاتا ہے کیونکہ مسیح خود بھی باپ کے جلال کے وسیلے سے مُردوں میں سے جی اٹھا تھا (۶: ۴)۔ مسیح کی نئی زندگی سے ہمیں نئی زندگی کا یقین ہو جاتا ہے کیونکہ اس

کی نئی زندگی سے خدا باپ کا جلال ظاہر ہوا تھا۔

حقیقی نئی انسانیت کا ظہور تو صرف مسیح یسوع میں ہی ہوا۔ اس کی خدا کی فرمانبرداری انوکھی تھی اور اُس کی اپنی زندگی دوسرے انسانوں سے بالکل مختلف تھی۔ اگر ہم ایمان سے اپنا دل اُس کی جانب پھیریں تو ہم بھی نئی مخلوق بن جاتے ہیں (گلتیوں ۶: ۱۵)۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی انسان ایمان کے وسیلہ سے مسیح یسوع میں زندگی بسر کرے گا تو اس کی زندگی سراسر نئی ہو جائے گی۔ زندگی کا نیا ہو جانا یہ نہیں کہ چند بُری عادات کو رد کر کے کسی حد تک بھلے مانس بن جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی خاصیت بالکل ہی نئی بن جائے گی۔ جس سے پہلے نفرت تھی اُسے پیار کرے گا اور اپنی سابقہ خواہشات سے نفرت کرے گا۔ طبعی زندگی کو ضرور ہی مٹ جانا چاہیئے تاکہ اعلیٰ زندگی ظاہر ہو۔ کیا اپنے وقت پر نئی زندگی بھی مفقود ہو جائے گی! اُس کے اثبات کا کون ضامن ہے! اُس کا ضامن مسیح ہے جو مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور پھر نہیں مرنے کا۔ (۶: ۹) جو خدا میں قائم ہے اس کی زندگی خدا کی حیات کی طرح ابدی ہے۔

(۲) عام حالت :۔ (۶: ۱۲-۱۴)۔

اِن آیات میں کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے اُس کے عملی پہلو کو صاف کیا گیا ہے۔ روحانی اصول انسانی

ذہن سے علیٰحدہ کام نہیں کرتے۔ ہر ایک سچائی جس کا مکاشفہ ہو چکا ہے ہمارے ضمیر پر اثر انداز ہوتی ہے اور ہمارے فیصلے اور عمل کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگر ہم قبول کرنے سے انکار کر دیں تو سچائی جو ہمیں حاصل ہو چکی ہو ماند پڑ جاتی ہے، اور یہ روحانی اصول ہمارے خلاف کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ب۔ شریعت کا دائرۂ عمل :۔ ۶: ۱۵-۷: ۲۵

(۱) نصب العین، شریعت کے تحت نہیں بلکہ مسیح کے تحت ہے :۔ (۶: ۱۵-۲۳)۔

یہ آیات اور ساتواں باب ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم شریعت کے تحت نہیں بلکہ فضل کے تحت ہیں۔ شریعت کے فضائل تیسرے باب میں دیئے گئے ہیں۔ اِن آیات میں بتایا گیا ہے کہ راستبازی حاصل کرنے کے لیے شریعت مددگار ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس نجات حاصل کر کے ہم نے گناہ کو رد کر دیا ہے اور لازمی طور پر (شریعت کی مدد کے بغیر) راستبازی کے غلام ہیں۔ کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا (متی ۶: ۲۴)۔ جب تک کوئی آدمی گناہ کا غلام ہے وہ "راستبازی کے اعتبار سے آزاد" ہے، خواہ وہ شریعت کا پیروکار ہی

کیوں نہ ہو۔ لیکن جب وہ خدا کی غلامی میں چلا گیا تو گناہ کے بندھن ٹوٹ گئے "تم .... دل سے .... فرمانبردار ہو گئے" (۶: ۱۷)۔ جہاں حقیقی نجات ہے، وہاں نئی زندگی بھی حقیقی ہے اور تابع فرمانی بھی پورے دل سے ہوتی ہے۔ چونکہ ایماندار ایک نئی تعلیم کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے، لہٰذا وہ اُس قسم کی زندگی کو اپنا لیتا ہے۔

(۲) مسیح کی موت شریعت کے اختیار سے آزاد کر دیتی ہے :۔ (۷: ۱-۶)۔

پَولُس رسُول نے ثابت کر دیا ہے کہ مسیحی زندگی شریعت کی مدد کے بغیر صرف ایمان ہی سے الٰہی مقصد کے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ ساتویں باب کی پہلی آیت میں پولُس ایک ایسے ذہن کے متعلق بیان کرتا ہے جو اب تک شریعت کی شان و شوکت کے وہم و گمان میں اُلجھا ہوا ہے۔ کیا شریعت کو رد کرنا درست ہے؟ کیا میں خُدا کے رائج کردہ قوانین کی تابعداری کے انکار سے بے حُرمتی تو نہیں کرتا؟ پَولُس ثابت کرتا ہے کہ شریعت خود اپنے لیے حدیں پیدا کرتی ہے۔ کسی انسان کی موت کے بعد شریعت اس پر دعویٰ نہیں کرتی۔ زوجگی کا حق اُتنی دیر تک رہتا ہے جب تک شوہر زندہ ہو۔ شوہر کے مرجانے پر عورت کے ازدواجی بندھن ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ آزاد ہو جاتی ہے۔ جب تک خُداوند مداخلت نہیں کرتا، شریعت کا پورے طور پر اختیار ہوتا ہے۔ جب

خداوند مداخلت کرتا ہے یعنی کہ شوہر مر جاتا ہے تو شریعت خُداوند کے تابع ہو جاتی ہے، اور زندہ انسان پر کچھ اختیار نہیں رکھتی۔ پولُس اشارہ کرتا ہے کہ شریعت زندہ خُدا کے اختیار کا اعتراف کرتی ہے اور اس کے الٰہی احکام کی توثیق کر کے ثابت کرتی ہے کہ یہ منجانب خدا ہے۔ مسیح کی موت میں یہ الٰہی رضا پوری ہو گئی ہے۔ "مسیح کے مصلوب شدہ بدن نے حالات کو دگرگوں کر دیا ہے، لہٰذا مسیح کی موت کا مطلب یہ ہے کہ ایماندار شریعت کے اعتبار سے مر چکا ہے۔ مسیح کے مصلوب شدہ بدن نے ایماندار کو شریعت کے لحاظ سے مار دیا تاکہ اُس کے لیے زندہ رہے جو مُردوں میں سے جی اٹھا ہے۔

ہم ذرا غور کریں کہ پَولُس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اُس نے ذاتی طور پر شریعت کو رد کر دیا ہے؟ اُس کے منشا سے واقف ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اُس کے خطوط کا مُطالعہ کریں پولُس کے لیے تحریری شریعت یعنی پرانا عہد نامہ ایک زندہ کتاب تھی اور وہ بار بار اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس میں دیئے ہوئے حُکموں اور وعدوں کو پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ رُوح پاک ہے جو زندگی کا دم پھُونکتا اور مؤثر بناتا ہے۔ اس کے بغیر نہ یہودیوں کی بائبل اور نہ ہماری بائبل فضل بخش سکتی ہے۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جو بائبل رکھنے پر فخر کرتے ہیں گویا کہ بائبل رکھنا خُداوند کی قربت کا دعویٰ ہے اور بہشت کے

لیے پروانۂ راہداری۔ ایسوں کے لیے بائبل ایک تعویذ سابن جاتا ہے، جس طرح کہ بعض لوگ کسی چیز کو مڑھ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ بائبل پر ایسے فخر کر کے لوگ اس کے پیغام کی تحقیر کرتے ہیں۔ مکمّل اور پورے دل کی فرمانبرداری کا کوئی نعم البدل نہیں ہے اور نہ انسان میں اتنی طاقت ہے کہ پوری پوری تابعداری کر سکے۔ ہاں مسیح یسوع میں نئی زندگی حاصل کر کے ایسا ممکن ہے، کیونکہ نئی زندگی سے رُوح پاک کی بخشش حاصل ہو جاتی ہے۔

(۳) شریعت کی اصلی خصُوصیّت :- ۷: ۷-۱۴

اگرچہ ہمیں شریعت کو نجات کا وسیلہ تصوّر نہیں کرنا چاہیئے پھر بھی ضروری ہے کہ ہم اس کے صحیح مقصد کو جانیں۔ شریعت کا کام ہے کہ گناہ کو اصلی رُوپ میں ظاہر کرے یعنی یہ کہ گناہ نہایت ہی ہولناک ہے اور گنہگار کو ایک شفیع اور نجات دہندہ کی اشد ضرورت ہے۔

شریعت کے بغیر گناہ مُردہ تھا۔ پولُس رسول پانچویں باب کی ۱۳ویں اور ۱۴ویں آیات میں آدم کی اولاد کا ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے آدم کی طرح گناہ نہ کیا کیونکہ مُوسیٰ کے شریعت دینے تک انہیں آدم کی طرح خُدا کی رضا اور منشا کا پتہ نہ تھا۔ یہی حالت بہتوں کی آج کل بھی ہے۔ وہ بچے جو کم از کم خاص موقعوں پر بھی نیک و بد میں

امتیاز نہیں کر سکتے، ایسے ہی ہیں۔ اور مسیحی جن کو تعلیم نہیں دی گئی یا تعلیم کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں اُن کا بھی یہی حال ہے۔ عام طور پر اس زمرے میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو رسم و رواج کے دلدادہ ہیں، مرّوجہ اخلاقی معیار پر عمل پیرا ہیں اور پاک خُدا کی آواز ان کے دلوں تک نہیں پہنچی۔ ایک طرح سے یہ لوگ بھی بے شرع ہیں (دیکھیں ۱۱: ۱۱، ۱۵)۔ یوں وہ شریعت کے بغیر ہی زندہ ہیں یعنی نہ تو وہ اپنے دل کو ٹٹولتے ہیں، نہ کسی چیز کے متعلق پریشان ہوتے ہیں، اور نہ ہی گناہ کا دل شکن بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن "جب حُکم آیا تو گناہ زندہ ہو گیا اور مَیں مر گیا" (۷: ۹)۔ جب خُدا کی مرضی ظاہر ہوتی ہے تو کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم خُدا کے مُخالف ہیں اور پُرانی خوش باش اور آرام طلبی کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

اکثر سُننے میں آتا ہے کہ ہر ایک کو خُدا کا کچھ نہ کچھ علم ضرور ہوتا ہے اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ تمام مذاہب یکساں ہیں لیکن یہ علم انسان کو بدی سے چھڑانے کے لیے کافی نہیں ہے، اور نہ خُدا کی جانب سے شریعت کا ظہور نجات بخشتا ہے۔

(۴) دو شریعتیں جو انسان میں پائی جاتی ہیں :- ۷: ۱۴-۲۵

ان آیات میں پولُس اپنے پر شریعت کا اثر دکھا کر وہی حقیقت پیش کرتا ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ پولُس کہتا ہے کہ جب تک میں صرف

دوسروں پر گناہ کے اثر کا ذکر کرتا رہتا ہوں، تو اس وقت تک میں گناہ کے اثر کو پورے طور پر نہیں جان سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ ۱۴ آیت سے آگے پولُس اپنا ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ گناہ نے اس کی زندگی میں تباہی مچا رکھی ہے، اور جو شریعت چاہتی ہے اور جو ارادہ وہ خود کرتا ہے اُسے نہیں کر پاتا۔ وہ اپنی ذہنی کشمکش کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس کا انجام کیا ہے! کیا ایک مسیحی کی زندگی غلطیوں اور مایوسیوں کے ایک سلسلے کے سوا اور کچھ بھی نہیں؟ بعض لوگ کلیسیا اور مسیحیوں کو اسی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ لیکن اس انسانی شکست فاش کے اعتراف کے بعد پولُس کہتا ہے "یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کا شکر کرتا ہوں"۔ انسانی ناکامی مسیح کے کام کو باطل نہیں کر سکتی۔ خداوند انسان سے بڑا ہے، اور بڑے سے بڑے گناہ پر بھی غالب آ سکتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ناکامیوں اور گناہوں کے درمیان اس نے اپنی بادشاہت قائم کر رکھی ہے۔

ج۔ پاک رُوح کے تحت زندگی:- ۸: ۱-۳۹

(۱) رُوح کی پیروی:- ۸: ۱-۴

پہلی آیت میں "پس" کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گناہ

کی طاقت جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور گناہ سے مخلصی جس کا ذکر ابھی ہونا ہے، اُن کے درمیان آپس میں گہرا تعلق ہے۔

یہاں دو بڑے بڑے اعتراضات پر بحث کی گئی ہے۔ پہلا یہ ہے کہ کیا ہم گناہ کرتے چلے جائیں تاکہ فضل زیادہ ہو؟ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اگر ہم گناہ کریں تو گناہ کی شریعت کے تحت ہیں اور خداوند کی شریعت ہمیں مجرم ٹھہراتی ہے (۷: ۲۳)۔ گناہ کوئی سکہ نہیں جسے ہم اپنی تحویل سے کسی اور کو دے سکیں یا اس کی گردش بند کر دیں۔ گناہ ہمارے خمیر میں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیا شریعت گناہ ہے (۷: ۷)؟ ہمیں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بحث اُلجھن میں ڈالنے والی ہے۔ کیونکہ ہمارا ذہن، عقل اور ضمیر مانتے ہیں کہ شریعت اچھی ہے۔ گناہ کا سبب تو ہمارے اندر ہے کیونکہ جو کچھ ہم میں اچھائی ہے اُسے ترک کر دیتے ہیں۔ لہذا عذر کی کوئی گنجائش نہیں۔ جونہی پولُس اپنے آپ پر فتویٰ دے چکتا ہے تو کہتا ہے "خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کا شکر کرتا ہوں ...... پس اب جو مسیح یسوع میں ہیں ان پر سزا کا حکم نہیں"۔ ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ دلالت انوکھی سی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو پولُس جو کہ رسول ہونے کے لیے بلایا گیا اور انجیل کی خوشخبری کے لیے مخصوص ہو چکا ہے کہتا ہے کہ وہ گناہ کے ہاتھ بکا ہوا ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ "سزا کا حکم نہیں" (۸: ۱)۔

اس "پس" کے لفظ کا صرف ایک مطلب ہو سکتا ہے کہ مخلصی صرف مسیح

یسوع میں ہے۔ کسی اور چیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ لفظ "پس" رحیم خداوند کا تصور جو کہ نجات دینے والا ہے پہلے ہی کر لیتا ہے۔ اس لیے طریق ایمان سچا ثابت ہوتا ہے اور ہمیں مسیح سے وہ کچھ قبول کر لینا چاہیئے جو صرف وہی بخش سکتا ہے۔ آیئے ہم اپنی زندگی کا مرکز اپنے سے جدا کریں اور مسیح میں اپنی زندگی کا مرکز بنا لیں۔

پھر خداوند کی بخشش کی بھرپوری کیا ہے؟ راستبازی پہلی کڑی ہے لیکن یہ کل بخشش نہیں ہے۔ گھر کو صاف ستھرا اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ خالی پڑا رہے۔ خدا کی روح کو ہم میں سکونت اختیار کرنی ہے (۸: ۴، ۵، ۷، ۹)۔ خدا کی حضوری ہمارے ساتھ ہوگی۔ خدا کا روح ہماری برگزیدگی کا بیعانہ اور ہماری زندگی میں خدا کے ظہور کا ثبوت ہے۔

جب پولس روح کی شریعت کا ذکر کرتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ یقیناً اس کا مطلب کسی دائمی اور پختہ شے سے ہے۔ یہ روح کی شریعت ایک ہوا کے جھونکے کی مانند نہیں جو گرمی کے دنوں میں آتا ہے اور عارضی طور پر راحت اور تسلی کا باعث بنتا ہے۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد شدت کی گرمی پھر شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہ ایک بالکل نئی زندگی اور نئی طرز کا رہن سہن ہے۔ گناہ کی شریعت کے بالکل برعکس اسے روح کی شریعت کہا گیا ہے۔ ساتویں باب میں پولس بیان کرتا ہے کہ گناہ کی شریعت کتنی ظالمانہ اور کٹھن ہے۔ اگرچہ گناہ بہت زبردست ہے لیکن روح القدس کی قوت اس سے کہیں زور آور ہے۔ روح کی قوت کا اظہار مسیح کی زندگی میں ظاہر

ہوتا ہے۔ روح کی قدرت کے وسیلے سے وہ مردوں میں سے جی اٹھا (۱: ۴)۔ اور اس طرح جب گناہ اور موت نے اپنی فضیلت ظاہر کی تو عین اسی وقت اس نے فتح پائی "کیونکہ ممکن نہ تھا کہ اس کے قبضے میں رہتا" (اعمال ۲: ۲۴)۔ یہ یقینی بات ہے کہ جیسے گناہ کی شریعت اس کے دشمنوں کے ذریعے سے اپنا کام کر رہی تھی ویسے ہی زندگی کی شریعت مسیح میں اور اس کے لیے کارفرما تھی۔ روح کی موجودگی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ انسان خداوند سے بڑی بڑی باتوں کی توقع کرتا ہے۔ جہاں روح کی موجودگی ہوتی ہے وہاں مسیح کی پہچان اور مسیح کے کاموں کا علم ہوتا ہے۔ روح کی صفات کو ظاہر کرنے کے لیے پولس ایک دفعہ پھر مسیح کے کاموں کا بیان کرتا ہے (۸: ۳، ۴)۔

(۲) روح کا ثبوت :- ۸: ۵-۱۱

خدا کا روح ہمیں ہمیشہ اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ کوئی روح، کوئی سرگرمی اور کوئی روحانی مکاشفہ جو مسیح کے بغیر ہو یا مسیح کو پس پردہ کر دے وہ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ بدی یعنی ابلیس کی جانب سے ہے (۸: ۹)۔

الٰہی روح کا اولین اور افضل کام یہ ہے کہ ہمیں اپنی طرف راغب کرے اور اپنے حضور میں حلیم اور انکسار بنا دے۔ جس کی زندگی میں ایمان ہے اس زندگی پر روح حکومت کرتا ہے۔ اور جہاں روح کی حکمرانی

ہوتی ہے وہاں وہ ہمیشہ اُن سچائیوں کی طرف لے جاتا ہے جنہیں ایمان نے اپنا لیا ہو۔ مسیح مجسّم ہوُا تاکہ ہم رُوح میں زندگی بسر کریں۔ اِس طرح شریعت کے لوازمات ہم میں پُورے ہو جاتے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ پُولُس ان لوگوں کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو فضل کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اُن کے لیے شریعت کی پیروی ضروری نہیں۔ وہ شریعت کی حمایت کرتا ہے (۸:۴)۔

کوئی آدمی اپنے آپ کو خُدا وند کے حوالے کر کے دیکھ لے یعنی اپنی زندگی اس کے نظام کے تحت کر دے، تو خُدا اُسے نئی قوت یعنی اپنے رُوح سے بھر دے گا۔ جو شریعت کے زور سے نہ ہو سکا، وہ اس رُوح کے ذریعے جو انسان کے اندر سکُونت کرتا ہے خُوشی سے پُورا ہو جاتا ہے۔ جب رُوح دِل کو شاد کر دیتا ہے تو بدمزہ اور ناخوشگوار کام بھی بڑی آسانی سے مکمّل ہو جاتے ہیں۔ اور جب رُوح یقین دلاتا ہے کہ محنت بے فائدہ نہیں جائے گی تو کٹھن منزلیں بھی آسان معلوم ہوتی ہیں۔

رُوح کا مُعجزہ تجسّم کے مُعجزے سے کم عجیب نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ رُوحِ پاک کی بخشش ہمیں تمام دُنیاوی مصائب سے رہا کر رہی ہے۔ ایک نفسانی عقیدہ ہے جسے ہمیں اپنے دِل میں جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ مسیح نے بھی دُکھ سہا تھا حالانکہ اُس نے کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ بدن مُردہ ہے (۸: ۱۰)۔ اس فانی جسم میں کوئی ایسی زندگی

ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے جو اس میں ہے نہیں، یا "ہو گا" یا مذہبی عقائد میں سے کوئی ایسا وصف اُس سے منسُوب نہ کرنا چاہیئے جس کا یہ حامل نہیں اور نہ جسم کی پرستش کرنی چاہیئے گویا کہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد تن پروری ہے۔ یہ تو مُردہ ہے، اور ہم اس کا سبب جانتے ہیں کہ یہ گُناہ کی وجہ سے ایسا ہے۔ آپ میں بھی دوسروں کی طرح گُناہ ہے تاہم کچھ فرق ہے۔ "خُدا تمہارے فانی بدنوں کو..... زندہ کرے گا" (۸:۱۱)۔ کیا ہمارا ایمان ہے کہ ہماری زندگی میں مُعجزہ ہو چکا ہے؟ اگر ہمارا ایسا ایمان ہے تو ہم توقع رکھ سکتے ہیں کہ آئندہ بھی مُعجزہ ہو گا۔ اس بات کو دُوسرے لفظوں میں ایسے بیان کر سکتے ہیں کہ رُوح ہمیں ابدی زندگی کی اُمید دلاتا ہے۔ کیوں! ابدی زندگی کا جوہر ہم میں پہلے ہی موجود ہے اور ہم مَوت سے زندگی تک پہنچ چُکے ہیں۔ لہذا جسمانی مَوت ہمیں پریشان نہیں کر سکتی۔ چُونکہ یہ "زندگی" جسم سے صادر نہیں ہوئی لہذا مَوت اس زندگی کو ہم سے چھین نہیں سکتی۔

(۳) نئی ذمّہ داری ۸:۱۲-۱۳

پَولُس ایک اور طریقے سے بتاتا ہے کہ رُوح میں زندگی کا کیا مطلب ہے۔ نئی زندگی، پُرانی ذمّہ داریوں کی منسُوخی ہے۔ اب ہم جسم کے قرضدار نہیں ہیں (۸: ۱۲)۔ جسم ایک سخت قرضخواہ ہے۔ بعض دفعہ

ہم اس کے ناواجب مطالبات ان الفاظ میں سنتے ہیں: "اتنا تو میرا بھی حق ہے کہ اپنے لیے مانگوں"۔ اگرچہ ضمیر پریشان ہے اور ایسا مطالبہ بھی وبالِ جان ہے۔ "مگر یہ تو میرا حق اور فرض ہے"۔ کیا یہ بتانا خوشخبری نہیں کہ "تم جسم کے قرضدار نہیں"؟ اس دِق کرنے والی آواز کو بند کرنا اور مار دینا چاہیئے۔ کیسے؟ رُوح کے وسیلے سے زندگی کو تازہ کریں اور بڑھنے دیں۔ رُوح کی زندگی درخت کی نئی زندگی کی سی ہے جو پُرانے پتوں کو جھاڑ دیتی ہے اور نئے پتّے نکل آتے ہیں۔ پُرانے پتوں کا کوئی حق نہیں کہ درخت پر لگے رہیں۔

(۴) ہمارے فرزند ہونے کے بارے میں پاک رُوح کی شہادت ۸: ۱۴-۱۷

رُوح زندگی بخشتا ہے۔ یہ زندگی خُدا کے ساتھ رفاقت، اُس کے ساتھ رہنے کا احساس اور ہماری رُوح کا اس کے رُوح کے ساتھ ملاپ ہے۔ اس زندگی میں انسان کی رُوح اپنے اصلی رُوپ میں آ جاتی ہے اور اپنے خالق یعنی خُدا باپ کی قربت میں اپنے اصلی وطن کی ہَوا میں سانس لیتی ہے۔ اپنے فرزند کے لیے باپ کے سوا کون اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے؟ خُدا نے اپنے آپ کو ہمارا بچانے والا ثابت کیا ہے۔ وہ ہمیں پیار کرتا ہے اور فرزندیت کا رُوح دیتا ہے اور ہم "ابا یعنی باپ" کہہ کر پُکار اُٹھتے ہیں۔

آیئے ہم پھر مستقبل کی جانب نظر اُٹھائیں۔ کیا ہم وارث نہیں ہیں؟ ہاں، بلکہ مسیح کے ساتھ ہم میراث بھی ہیں (۸: ۱۷)۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ پولُس کے لیے مسیح کے ساتھ رہنا ایک انتہائی نعمت ہے۔ اُن کی طرح کیا ہم بھی مسیح کی قربت کو خوش بختی سمجھتے ہیں؟ کاش یہ خیال ہمارے دلوں کو ٹٹولے! ہمارا مدّعا اور اجر یہ ہے کہ ہم ہمیشہ مسیح کے ساتھ رہیں اور ان خیالوں، مقصدوں اور خوشیوں کو جو اس کے لائق نہ ہوں اپنے سے دُور رکھیں۔

(۵) تنگی اور تکلیف کے باوجود اس زندگی کا جلال ۸: ۱۸-۳۹

ایمان سے راستبازی کے متعلق پولُس کی دلائل ہمیں خاص نتیجے تک پہنچا چکی ہیں ایمان سے راستبازی حاصل کرنے میں رُوح کی بخشش شامل ہوتی ہے اور رُوح ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ہماری خُدا سے رفاقت اس زندگی میں بھی ہے اور آنے والی زندگی میں بھی ہو گی۔ لیکن پولُس محسوس کرتا ہے کہ اس کے قارئین کے دل میں ایک اور سوال ہے اور وہ اُسے بیان کرتا ہے۔ مسیح کے شاگردوں نے کیوں دُکھ اور تکلیفیں اٹھائیں؟ ہمارے دُکھ الہٰی مقصد کے ساتھ کیسے مطابقت رکھتے ہیں؟ ہم خُوب جانتے ہیں کہ ہمارے دُکھ اور تکالیف الہٰی مقصد میں کیا مقام رکھتے ہیں، لیکن جب ہمارا اُن سے سامنا ہوتا ہے تو ہم اُن سے نپٹنے کے لیے بہت کم تیار ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت دُکھوں اور تکلیفوں سے دور بھاگتی ہے۔

ہم اپنی تسلّی کے لیے یہ ثابت کرنے لگتے ہیں کہ ہم مصیبتوں کے بالکل مستحق نہیں، اور اس طرح سے خُداوند کی رفاقت و شراکت سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ اُس کی شراکت میں دُکھ بھی سہنا پڑتا ہے (۲۔ تیمتھیس ۲: ۱۲)۔ لیکن پولُس یہاں ایک شرط عائد کر دیتا ہے "بشرطیکہ ہم اُس کے ساتھ دُکھ اٹھائیں"۔ لیکن ہم سوچیں کہ کیا ہم مسیح کے ساتھ دُکھ سہتے ہیں؟ جو کچھ ہم برداشت کرتے ہیں کیا مسیح کے نام کی خاطر برداشت کرتے ہیں؟ کیا ہم نے کبھی مسیح کے نام کی خاطر نقصان، بے عزّتی اور تکلیف سہی ہے؟ مسیح کے ساتھ دُکھ سہنا مسیحی زندگی کی کسوٹی ہے۔ اگر ہماری تکالیف محض اس جہان کے فرزندوں کی سی ہیں تو ہم خُداوند کے نہیں۔

کیا وجہ ہے کہ پولُس اتنی آسانی سے اور اتنی خوش اسلوبی سے آگے کی طرف تاکتا ہے؟ ایک وجہ تو یہ ہے کہ آگے خُداوند ہے اور دوسری یہ کہ رسُول کی باطنی آنکھیں مستقبل کے جلال پر گڑی ہوئی ہیں۔ بعض اوقات ہم مایوسیوں سے گھر جاتے ہیں اور ہمارے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری زندگی خُدا سے الگ تھلگ ہوتی ہے۔

اِس اُمید کو حقیقت بنانے کے لیے رسُول کچھ اور دلائل پیش کرتا ہے۔ اُمید میں عالمگیری اور اشد ضرورت پائی جاتی ہے۔ تمام مخلوق بے تابی سے منتظر ہے، آہیں بھر رہی ہے اور درد میں لوٹ پوٹ ہو رہی ہے (۸: ۲۲)۔ شاید یہ دلیل ہمیں عجیب سی لگے۔ کیونکہ اگر

صرف ایک گاؤں ہی نہیں بلکہ تمام مُلک بھوک سے مر رہا ہو تو بحالی کے لیے زیادہ عرصہ لگے گا۔ ہماری طاقت اور ہمارے ذرائع چند اشخاص کے لیے تو کافی ہو سکتے ہیں۔ لیکن تمام کے لیے ناکافی ہوں گے۔ مگر پولُس انسانی ذرائع کو حساب میں نہیں لاتا۔ بلکہ اُس کی نظر الٰہی ذرائع پر لگی ہوئی ہے۔ انسانی ضرورت ہی اُمید کی بنیاد ہے (۸: ۱۸)۔ اس دلیل کا رُجحان اُسی طرف ہے جس طرف کہ ۸: ۱۸ کی دلیل کا ہے پولُس کہتا ہے کہ چونکہ جب میں انسان پر نظر ڈالتا ہوں تو ناکامیوں اور گناہوں کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ لہٰذا اپنی مکمل مخلصی کے لیے میں خُدا پر تکیہ رکھتا ہوں۔ چونکہ بے ثباتی نظامِ کائنات کی پیشانی پر ثبت ہے لہٰذا میں کُل کائنات کے لیے پُر اُمید ہوں۔

پولُس رسُول ۸: ۲۰-۲۵ میں جو کچھ بیان کرتا ہے وہ صرف ایک رویا ہی نہیں بلکہ مسیحی شاعری کا نمونہ بھی ہے۔ یہ بہت سے لوگوں کے سوالات کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ "انسان کے لیے تو نجات ہے لیکن دوسری مخلوق یعنی حیوانات اور نباتات کا کیا بنے گا؟" چہچہاتے پرندے اور مہکتے ہوئے پھول در حقیقت "قید ہیں" وہ ظلم و ستم کا شکار رہتے ہیں اور دُکھ سہتے رہتے ہیں۔

پولُس رسُول اس تمام صُورتِ حال کو دیکھتا ہے۔ لیکن مسیح کی مخلصی سے بھی خوب واقف ہے اور رُوح میں اُس دن کو دیکھتا ہے۔ جب یہ مخلصی مکمل طور پر ظاہر ہو گی تو تمام مخلوقات نئی ہو جائے گی۔

کائنات کی تخلیق میں انسان بھی شامل ہیں اور ان آیات میں انسان
کے لیے بھی اُمید پائی جاتی ہے۔ اگرچہ نئے عہد نامے سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان نہیں بچیں گے۔ تاہم ہمیں یہ بھی نہ سوچ
لینا چاہیئے کہ بہت کم بچیں گے۔ فتویٰ دینا ہمارا کام نہیں۔ صرف
خُداوند ہی مُنصف ہے اور ہماری نسبت اُس کا فیصلہ زیادہ دُرست
ہوگا۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دُنیا سے کراہیت کا سبب صرف
وہی مُصیبتیں نہیں جن سے مخلُوقات متاثر ہوتی ہے بلکہ اُس کا سبب
یہ بھی ہے کہ سہواً خلقت اپنے خالق سے بہت دور چلی گئی ہے بحیثیت
محدُود و مجبُور ہونے کے ہم کیا کرتے ہیں؟ ہمارا حال یہ ہے کہ جو کچھ ہم
کرنا چاہتے ہیں اُسے کر نہیں پاتے لہٰذا نتیجہ پریشانی ہوتا ہے۔ اگر
خُداوند کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہماری کمزور کوششیں دردِ زہ ہیں۔
دوسرے الفاظ میں یہ مخلصی سے پہلے کے درد ہیں۔ اُس اُمید کی وجہ سے
جس سے رسُول بھرپُور ہے اُس کے لیے یہ مخلصی نہ صرف مُستقبل کے لیے
ہے بلکہ زمانۂ حاضرہ کے لیے بھی ہے۔ ۲۳ ویں آیت ہمارے بدن کی
مخلصی کا خاص طور پر ذکر کرتی ہے۔ ہمارا جسم نفسانی ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵:
۴۴)۔ اور موت کے بعد گل سڑ جائے گا۔ لیکن اس کی بھی مخلصی ہوگی۔
قیامت ہمیں ایسے جسم دے گی جو کبھی خراب نہ ہوں گے اور موت
کا ان پر اختیار نہ ہوگا۔ یہ کتنی شاندار آزادی ہوگی (۸:۲۱)۔

۲۶، ۲۷ آیات میں پولُس بتاتا ہے کہ اُس کی اُمید کو کون سی چیز مضبُوط
کرتی ہے۔ یہ دُعا ہے۔ اس کا حلقۂ اثر اتنا ہی وسیع ہے جتنا کہ دُنیا کی
مصیبتیں وسیع ہیں۔ اس طرح پولُس اپنے آپ کو دُوسرے انسانوں کے ساتھ
ملا دیتا ہے۔ بعض اوقات ایسی دُعا ماسوا ایک آہ کے کچھ نہیں ہوتی،
لیکن ساتھ ہی ایسی دُعا ایک آہ سے زیادہ بھی ہے۔ کیونکہ خُدا کا رُوح اُس
کو خود سنبھال لیتا ہے۔ رُوح ہماری شفاعت کرتا ہے (۸:۲۶)۔ ایسے لمحوں
میں ہماری تمام کمزوری ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے اور ہم خُداوند کے خیالات
اور مقصد کو پانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ خُداوند
ہمارے ساتھ ہے اور جو التجائیں ہم کرنا نہیں جانتے رُوح ہمیں سکھا
دیتا ہے۔ اگر رُوح خود ہمارے ساتھ دُعا کرے تو ہم کیسے چُوک سکتے
ہیں۔ اگر وہ خود ہمارے دلوں میں اُمید پیدا کرتا ہے تو وہ اُمید پشیمان
نہ ہوگی (۵:۵)۔

۸:۲۸ میں پولُس رسُول نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ دُکھ
درد کے کیا معنی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ دُکھ درد اُمید سے مغلُوب ہو جاتے
ہیں۔ اس لیے "ہم کو معلُوم ہے کہ سب چیزیں مل کر خُدا سے محبت
رکھنے والوں کے لیے بھلائی پیدا کرتی ہیں"۔ ہمیں ہرگز ڈرنے کی ضرورت
نہیں۔ کوئی شے بھی ہمارے لیے رکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتی اور نہ
پریشان کر سکتی ہے۔

اگرچہ رُومیوں کے خط میں گہری اور مشکل تعلیم پائی جاتی ہے۔ مگر اس

ہیں سادہ حقیقتیں بھی ہیں اور دُکھ کا مسئلہ ان میں سے ایک ہے۔ بچّے کی محبّت باپ کو مجبور کر دیتی ہے کہ اس کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے کرے۔ شاید باپ بیٹے کو اپنی تمام دوڑ دھوپ جو اُس کے لیے کرتا ہے پُورے طور پر نہیں بتا سکتا۔ لیکن اگر بچّہ باپ کو پیار کرتا اور اس پر پُورا بھروسہ رکھتا ہے تو باپ کس حد تک بیٹے کی بہتری کے لیے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ اگر جسمانی باپ اپنی اولاد کے لیے ایسا کرتا ہے، تو کیا آسمانی باپ اپنے فرزندوں کے لیے ہر ایک بات خوش اسلوبی سے درست نہیں کرے گا۔

۸: ۲۹ میں پولس رسول اس اعتقاد کے کہ خدا وند نگہبانی کرتا ہے، پس منظر کا کھوج لگاتا ہے۔ ہم خدا وند پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اُس نے مقرّر کیا ہُوا ہے کہ ہمیں گناہ اور موت کی دُنیا میں سے اپنی قربت میں بُلا لے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خداوند کا بُلاوہ نہ اتفاقیہ امر ہے، اور نہ طرفداری کی بابت ہے، بلکہ یہ نہایت ہی دانا اور عاقل خدا کا سوچا سمجھا ہُوا کام ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ ایماندار خداوند کے گھرانے میں شریک ہو جائے اور ایک بہت بڑی برادری کا رُکن بن جائے جس کا سربراہ یسوعؔ ہے۔ کلام کے اس حصّے کی تفسیر کچھ مشکل ہے، کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصّہ نجات کے اہم جزوبات کے بیان کا کچھ حصّہ چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً مسیح کے کفّارے اور خداوند کے بلاوے کے متعلق انسانی قبولیت کا ذکر نہیں کرتا۔

یہاں پولس رسول صرف خدا کی جانب سے انسانی نگہداشت پر توجہ مرکوز کرتا ہے اور ہمیں خدا کی ابدی مشورت میں لے جاتا ہے۔ ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہاں پولس یہ نہیں کہتا کہ خدا نے بعض انسانوں کو ابدی موت اور ہلاکت کے لیے مقرّر کیا ہے۔

۳۰ ویں آیت میں پولس رسول خدا وند کی ان برکتوں کا ذکر کرتا ہے جو وہ ایماندار کو بُلانے کے بعد بخشتا ہے۔ یہ برکتیں راستبازی اور جلال کے نام سے پُکاری گئی ہیں، یہ جلال آسمانی دُنیا کا جلال بھی ہو سکتا ہے، اور وہ نُور بھی ہو سکتا ہے جو مقدس ایمانداروں کے چہروں پر دمکتا ہے۔

ان تمام بخششوں کو یاد کر کے جو خدا وند خدا ایمانداروں کو دیتا ہے، پولس رسول خوشی کے گیت گانے لگتا ہے۔ ان گیتوں کا خلاصہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی پناہ میں محفوظ و مامون ہیں۔ خدا ہمارا حامی و مددگار ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو عموماً نظر انداز کیا جاتا ہے، لیکن ہر ایک پریشان انسان کے دل کی گہرائیوں میں پنہاں ہوتا ہے اس مسئلے کا جواب فاتحانہ انداز میں دیا گیا ہے یعنی کہ وہ خدا وند جس کی قوت بلند و بالا ہے ہماری پشت و پناہ ہے۔

پولس رسول کے خیال کو پُورے طور پر واضح کرنے کے لیے ایک اور نکتے کا ذکر کرنا ضروری ہے یعنی رُوحانی دُنیا میں حکومتوں اور قدرت اور شیطانی طاقتوں کی مخالفت (۸: ۳۸-۳۹)۔ عام طور پر ہم ان چیزوں کو

کو خاطر میں نہیں لاتے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ بسا اوقات بڑی قوتیں انسانوں، کلیساؤں اور قوموں کے ذریعے سرگرمِ عمل ہوتی ہیں۔ اگر سنجیدگی سے سوچا جائے تو یہ صرف انسانی کمزوری ہی کا نتیجہ نہیں بلکہ تاریکی کی طاقتیں انسانوں پر غالب ہوتی ہیں اور ان کے ذریعے سے کام کرتی ہیں۔ جب ہمیں ایسے واقعات سے سابقہ پڑتا ہے تو ہماری عقلِ سلیم اور دلائل بے کار ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ مسیحی پند و نصائح بھی بے سُود ہوتے ہیں۔ یہ تاریکی اور دَور اور راج ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھیئے کہ اگر ایسی تاریکی کا دور ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو تو بھی اس محبت سے جو مسیح یسوعؔ کے وسیلے سے خُدا کو ہمارے ساتھ ہے علیحدہ نہیں کر سکتی۔

۵۔ تیسرا بڑا مَوضُوع

یہوُدیوں کا خارج کیا جانا اور غیر قوموں کا نجات پانا ۹:۱-۱۱:۳۶۔

رُومیوں کے خط کا نواںؔ، دسواںؔ اور گیارہواںؔ باب اِس مضمون پر بحث کرتے ہیں کہ اگر خُداوند مسیح میں نجات تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ہے،

تو کیا وجہ ہے کہ یہوُدیوں نے بحیثیت ایک قوم خُداوند مسیح کو رَد کر دیا ہے؟ اِس سوال کا جواب پَولُسؔ رسُول کیا دیتا ہے؟ یہ کہ "اے بھائیو! میرے دِل کی آرزو اور اُس کے لیے خُدا سے میری دُعا ہے کہ وُہ نجات پائیں" (۱۰:۱)۔ پَولُسؔ رسول کے لیے یہ مُعاملہ محض فکر و قیاس ہی نہیں اور نہ ہی وُہ اِس مسئلے کو تجسّس طلب ذہنوں کو اُبھارنے کے لیے یا کسی بحث کو جیتنے کے لیے اٹھاتا ہے۔ اہلِ یہوُد کی بے رُخی اُسے شخصی طور پر گراں خاطر گزرتی ہے۔ اس بوجھ کو اُس نے کئی مرتبہ خُداوند کے حضور دُعا میں پیش کیا ہے، لیکن اب اُسے مذہبی عالم کی حیثیت سے بیان کرتا ہے۔

ایک اور بات ملاحظہ ہو جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے خویش و اقارب کے لیے رسول کی محبّت خود بخود ظاہر ہوتی ہے۔ نویںؔ باب کی تیسریؔ آیت میں بیان ہے کہ "مجھے یہاں تک منظور ہوتا ہے کہ اپنے بھائیوں کی خاطر جو جسم کی رُو سے میرے قرابتی ہیں میں خود مسیح سے محرُوم ہو جاتا"۔ انہوں نے اسے بہت دُکھ دیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مصیبتوں نے اُسے اپنی قوم کے لوگوں کے اور قریب کر دیا ہے۔ وُہ ان کی خاطر اور زیادہ دُکھ سہنے اور زیادہ سے زیادہ قربانی کرنے پر مُستعد ہے۔ یہاں تک کہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ یعنی مسیح کی رفاقت بھی چھوڑنے پر تیار ہے۔ کتابِ مُقدّس میں صرف ایک جگہ اور اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے۔ مُوسٰیؔ نے جب دیکھا کہ گناہ ایک ناقابلِ تسخیر رکاوٹ

بن چکا ہے اور بنی اسرائیل کو نجات حاصل کرنے سے محروم کر رہا ہے تو آخری چارہ کے طور پر وہ اپنی جان کو بطور فدیہ دینے کو تیار ہو گیا (خروج ۳۲:۳۲)۔ غور کیجئے کہ ایک نبی اور اس کی اُمت میں ایک رسول اور اس کی قوم کے لوگوں میں کتنا بڑا باہمی اتفاق پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں رہبر اپنی ذات کی پرواہ کئے بغیر صرف ایک ہی بات پر تُلے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ رُوحیں جو ان کے سپرد کی گئی ہیں اُن کو نجات مل جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو موسیٰ کا اور نہ ہی پولُس کا فدیہ قبول ہوا۔ اگر کوئی گنہگار انسان کوئی فدیہ پیش کرے تو کیا یہ فدیہ خدا کے بیٹے کی قربانی میں کسی طرح کا اضافہ کر سکتا ہے؟

نویں باب کی چوتھی اور پانچویں آیت میں پولُس، خدا کی قوم اسرائیل پر خاص مہربانیوں کا بیان کرتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خاص قوم تھے، یعنی خدا کی اپنی قوم۔ دوسری بات ہیکل میں عبادت تھی جو روحانی مقاصد کی رُو سے غیر یہودیوں کی عبادت سے بُلند و بالا تھی۔ اور جب ان مہربانیوں کے علاوہ خداوند کے کلام اور وعدوں کی نعمت یہودی قوم کو مل چکی تھی تو پھر کیا بات تھی کہ انہوں نے مسیح کو رَدّ کر دیا۔ پولُس رسول تین سبب بتاتا ہے۔ (ا) ۹:۶-۲۹- (ب) ۹:۳۰-۱۱:۱۰- (ج) ۱۱:۱۱-۳۲-

مندرجہ بالا اسباب میں سے پہلا سبب سمجھنا دشوار ترین ہے اس کا پورا مطلب دوسرے دو اسباب سے صاف ظاہر ہے۔ یہودیوں نے

مسیح کو کیوں رَدّ کر دیا؟ اس کا جواب ۹:۳۰-۱۰:۲۱ میں پایا جاتا ہے۔ نجات حاصل کرنے میں ناکامی کی ذمہ دار اہلِ یہود خود ہیں۔ انہوں نے مسیح کو رَدّ کر دیا۔ انہوں نے اُسے قبول نہ کیا کہ وہ خدا کی جانب سے آیا تھا۔ وہ اپنے کاموں سے لپٹے رہے اور اپنے اعمال پر تکیہ کئے رہے، اور اس طرح سے خدا کی بخشش کو جو مسیح یسوع میں ظاہر ہوئی قبول نہ کیا (۹:۳۲)۔ اس طرح خدا نے جسے بنی نوع انسان کو، ایمان کی ایک مضبوط چٹان کے طور پر دیا تھا، ان کے لیے ٹھیس لگنے کا پتھر بن گیا (۹:۳۳)۔

کلیسیا میں اتنی ناراستی کیوں پائی جاتی ہے؟ مثال کے طور پر اتنی تفریق اور ناچاقی کیوں ہے؟ یہ یقینی بات ہے کہ اس کا سبب وہی ہے جو یہودیوں میں پایا جاتا ہے۔ ہم مسیح کو اجازت نہیں دیتے کہ ہمارے ظاہر و باطن پر حکومت کرے (۱۰:۹)۔ ہماری زندگیوں پر خداوند حکمران نہیں بلکہ شریعت کارفرما ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شریعت کلیسیا کو مسیح کی تابعداری کے بندھن میں باندھ دے۔ لیکن جب کلیسیا میں جھگڑے اور تنازعے برپا ہو جائیں اور شرع بطور ہتھیار استعمال ہونے لگے اور اپنے کرتوتوں اور انتقام کے جذبہ کو شرعی نقطۂ نظر سے درست ٹھہرانے کی کوشش کی جائے، تو ایسی شرع راستبازی کا موجب نہیں ٹھہرتی۔ جس کلیسیا پر مسیح کی حکمرانی ہوگی وہ کلیسیا رُوحوں کی نجات کے لیے ایک قوت بن جائے گی۔

گیارہویں باب کی پہلی دس آیات میں پولُس ایک دلیل پیش کرتا ہے جو دسویں باب سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنی نافرمانی کے باعث یہودی قوم نجات سے محروم رہی ہے۔ کیا یہ بات تمام قوم پر صادق آتی ہے؟ نہیں، پولُس سب پر یہ فتویٰ نہیں دیتا۔ لیکن لوگ کئی خاندانوں اور قوموں پر ایسا فتوے دے دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ "فلاں شخص کی اصل نسل ایسی ویسی ہے اس لیے میں اُسے ملازم نہیں رکھوں گا۔" یا "میں فلاں شخص کو اپنا افسر یا حاکم قبول نہیں کر سکتا۔" یہ بات عوام تک ہی محدود نہیں بلکہ ایک دفعہ ایلیاؔہ نبی نے بھی تمام اسرائیل کو مُرتد گردان دیا۔ لیکن خُداوند نے کہا "میں نے سات ہزار کو بچا رکھا ہے جنہوں نے بعلؔ کے آگے سجدہ نہیں کیا" (۱۔سلاطین ۱۹: ۱۸)۔

فی زمانہ بھی وفاداروں کا بقیہ موجود ہے۔ ممکن ہے ہمیں علم نہ ہو کہ وہ کہاں ہیں لیکن خُداوند کا رحم ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رہتا ہے۔ اُس کا رحم آج کل بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ ایلیاؔہ کے زمانے میں تھا۔ جب ہمیں چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے تو عین اسی وقت خُداوند کی قوّت کے چشمے پھُوٹ پڑتے ہیں۔ زبُور نویس کہتا ہے۔ "تُو نے اپنے ہی بازو سے اپنی قوم .... کو چھڑا لیا" (زبور ۷۷: ۱۵)۔ اس لیے ہماری نجات یقینی ہے۔ ان ابواب میں چُننے کا مطلب یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ پولُس اس بات پر پھر آ جاتا ہے اور اس پر زور دیتا ہے۔ جس شے کے لیے باقی یہودی فضول سرگرداں تھے برگزیدوں

نے اُسے حاصل کر لیا ہے۔ اُن کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ جو کچھ کرنا چاہتے تھے اُسے اپنے وسائل سے اور خودستائی کے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ خداوند کی نجات کو رد کرنے کے باعث اور خوداعتمادی اور ضد کی وجہ سے وُہ خُداوند کی آواز سُننے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا وُہ ایسے پھنسے جیسے پھندے میں اور اُن کی پُشت سزا کے لیے جھکائی گئی (۱۱: ۹-۱۰)۔ اگرچہ خُدا اُن کے نزدیک ہے لیکن اُن کی ہلاکت کے لیے، کیونکہ اُنہوں نے خُدا کی محبّت کو ٹھکرا دیا ہے۔ لہٰذا اُن کی تباہی پر مُہر لگ چُکی ہے۔

پولُس اسی بات پر پھر آ جاتا ہے جس پر کہ وُہ دسویں باب کے آخر میں تھا۔ یعنی کہ بنی اسرائیل نجات حاصل کرنے میں ناکام رہے، کیونکہ اُنہوں نے نافرمانی کی ہے۔

۱۱: ۱۱-۳۲ میں ایک نیا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ جو نجات غیر اقوام کو دی گئی ہے اُس سے یہودی بھی برکت پائیں گے۔ اس سے یہودی حسد کریں گے۔ جب خُدا نے اُن کی دوڑ دھُوپ کو بار ور نہ ہونے دیا تو اُنہوں نے غرور کے باعث فضل سے نجات حاصل کرنے کو رد کر دیا۔ جب اُن پر آشکارہ ہو جائے گا کہ اُن کے بدلے دُوسری اقوام کو چُن لیا گیا ہے تو ان کی ضِد ڈھیلی پڑ جائے گی۔ لہٰذا خُداوند اُن کی بغاوت کو انہیں واپس لانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہودیوں پر دُوسری قوموں کا اس طرح کا اثر ملاحظہ کرنے کا پولُس کو کئی جگہ موقع

بلا۔ سچا ایمان انسانوں کے دلوں پر ہمیشہ حیرت انگیز اثر ڈالتا ہے۔ بعض لوگوں کو اضطراب میں ڈال دیتا ہے اور بعض کے دل میں نفرت پیدا کر دیتا ہے لیکن کچھ وقفے کے بعد کئی دفعہ یہی نفرت نیک بننے سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ لاثانی ہے۔ یہ قوم نہ ترک کی جائے گی اور نہ ہی مٹے گی۔ غور کیجئے کہ گذشتہ انیس صدیوں میں کتنی ہی قومیں مٹ چکی ہیں اور ان کا نام و نشان نہیں ملتا، اور کئی ایک اور قومیں آج کل مٹتی جا رہی ہیں، لیکن بنی اسرائیل قائم و دائم ہے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ دنیا کی تاریخ کسی نہ کسی طرح سے بنی اسرائیل سے وابستہ ہے۔ بنی اسرائیل کی بے ایمانی، کسی دوسری قوم کی نسبت بنی نوع انسان کا اہم نقصان ہے۔ ان کا ایمان لانا خداوند کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔

اس عجوبے کو کہ غیر یہودیوں کو تو نجات مل گئی مگر یہودی محروم رہ گئے گیارھویں باب کی ۱۷ تا ۲۵ آیات میں صاف کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جنگلی زیتون کی شاخ کو حقیقی زیتون کے درخت میں پیوند ہونے کی مثال دی گئی ہے۔ خداوند کی قوم جس کا ذکر پرانے عہدنامہ میں ہے زیتون کا درخت ہے جو کہ خداوند کے باغ میں لگایا گیا ہے اور اس کی آبپاشی خود خداوند کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ باغبان نے کچھ شاخیں کاٹ ڈالی ہیں کیونکہ وہ پھل لانے کے قابل نہیں۔ اور یہ بہت عجیب بات ہے، حالانکہ باغبان نے شاخوں کی مسلسل نگہبانی

کی ہے پھر بھی یہ شاخیں پھل کے قابل نہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات وقوع میں آئی کہ جنگلی زیتون کی شاخوں کو سچے زیتون کے اصل درخت میں پیوند لگایا گیا۔ خوب! جنگلی زیتون کے لیے یہ کتنا بڑا فخر ہے کیونکہ جنگلی درختوں کو اپنی صفات کی وجہ سے اس مقام کا حق نہ تھا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو کہ انسانی تجربے کے خلاف ہے، لیکن خداوند کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ یہ اس کا رحم کا کام ہے جو اس نے اپنی مخلوقات کے لیے کیا ہے۔

گیارھویں باب کی ۳۲ ویں آیت میں رسول خلاصہ پیش کرتا ہے، کہ خدا نے سب کو بے ایمانی کے قید خانہ میں مقفل کر دیا ہے تاکہ ہر ایک پر یکساں مہربانی کرے۔ خدا نے سب کو تالے کے اندر بند کر دیا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ایسا نیارا برتاؤ کرتا ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ ہماری زندگی ایسی نہیں جیسی کہ ہم مادی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ غور کریں کہ مہذب یونانی جو فلسفانہ تخیلات میں پرواز کرتے تھے اور متکبر رومی جو پولس کے زمانے میں ہی اپنی سلطنت کی حدیں وسیع سے وسیع تر کرتے جاتے تھے، وہ بھی "گرفتار" تھے۔ کیا وہ محدود تھے، قیدی تھے، ترقی نہیں کر سکتے تھے اور کائنات الٰہی میں آزادانہ چل پھر نہیں سکتے تھے؟ ہاں وہ تھے کیونکہ وہ بے ایمانی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کیا ایک یہودی جو قانون کا پابند، پرجوش اور دعا گو تھا وہ بھی "گرفتار" تھا اور ان برکات سے جن کا وہ

شیدائی تھا، محروم تھا! ہاں وہ بھی اپنی بے ایمانی کے باعث محروم اور ناکام تھا۔ بنی اسرائیل خداوند کے ظاہرا رحم وکرم سے مطمئن تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خدا اپنی نجات کے کام کو ان کے وسیلے کے بغیر عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔

آہ! یہ دلیل بازی کتنی بودی اور باطل ہے اور اس کے نتائج کتنے تباہ کن ہیں۔ خدا انسان کا سہارا نہیں لیتا، لیکن انسان کا خدا کے بغیر کوئی اور سہارا نہیں۔ کسی ایسی شراکت کو تصور کرنا جس میں انسان کو خدا کا مقام حاصل ہو یہ سانپ کے وعدے کو سننے کے مترادف ہے جس نے کہا تھا۔ "تم خدا کی مانند...... بن جاؤ گے" (پیدائش ۳: ۵)۔ جب خدا انسان کو تعاون کی دعوت دیتا ہے تو اس وقت بھی وہ اپنی ذات کے لیے پوری آزادی محفوظ رکھتا ہے۔ وہ بحیثیت قادرِ مطلق، خالق اور زندگی کے مالک کے ہمارے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ ہم یاد رکھیں کہ خدا نے پرانے عہدنامے کے لوگوں سے کیسے کلام کیا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری بات محض انسانی رائے ہوگی۔

ابرہام کے متعلق کیا بات ہے؟ وہ وفاداروں کا باپ ہے اور اُس کے وسیلہ سے تمام قومیں برکت پائیں گی (باب ۴ بھی دیکھیں)۔ ہر کوئی یہی توقع کرتا ہے کہ اُس کی نسل کے ہر فرد کو اس کی برکتیں ورثہ میں ملیں گی۔ لیکن خدا نے اپنا خود مختار فضل دکھانے کے لیے

اعلان کیا کہ "اضحاق ہی سے تیری نسل کہلائے گی" (۹: ۷)۔ صرف اضحاق ہی خدا کا فرزند تھا۔ خداوند کا کلام سب فیصلے کر دیتا ہے اور اُس کے کلام کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اور یہ درست اور راست ہے کیونکہ وہ قادر خدا ہے۔

گویا کہ خدائے تعالیٰ کی برتری کو اور نمایاں کرنا مطلوب تھا۔ وہ ایک ہی ماں کے دو بیٹوں کا ذکر کرتا ہے اور اُن میں امتیاز کرتا ہے ۹: ۱۰-۱۳ میں دو بھائیوں عیسو اور یعقوب کا حوالہ دیتا ہے۔ کئی لحاظ سے عیسو، یعقوب سے قدرتی طور پر افضل تھا۔ لیکن ان کی پیدائش سے پیشتر ہی خدا تعالیٰ نے اُن کی اور اُن کی اولاد کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا تھا اور فرمایا کہ "بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا" (۹: ۱۱)۔

یعقوب کی برگزیدگی کا بیان خداوند کی کلی برتری کو ظاہر کرتا ہے وہ انسان کے پیدائشی حقوق کا پابند نہیں جو ہمارے بہت سے انسانی تعلقات پر حاوی ہوتے ہیں۔ اُس کا فضل مُفت ہے۔ جب تک ہم اُس کے فضل پر تکیہ کرتے ہیں ہم محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ اُس نے فرمایا کہ "جس پر رحم کرنا منظور ہے اُس پر رحم کروں گا" (۹: ۱۵)۔ خداوند کے ارادے جو ہم پر الہام کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں پختہ اور پکے ہوتے ہیں اور یہ خوش بختی کی بات ہے کہ نجات "نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے نہ دوڑ دھوپ کرنے پر" کیونکہ کیا انسانی ارادہ کبھی قابلِ اعتبار ثابت ہوا ہے! اور کیا کبھی اپنی دوڑ دھوپ سے جو ترقی اُسے

حاصل ہونی چاہیئے ہوئی ہے؟ یا کیا ہم اپنی کامیابیوں سے مطمئن ہو جاتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ سب کچھ رحم کرنے والے خُدا پر منحصر ہے (۹:۱۶)۔ جب ہم یعقوب کے الٰہی انتخاب کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ عیسوٓ نے اپنی شخصی مرضی سے برکت کھو دی۔ وہ خُدا کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکتا۔

نواں باب خُدا کے اختیار کو جو کہ اُسے بنی نوعِ انسان سے سلوک کرنے کے بارے میں ہے بہت اہمیت دیتا ہے۔ اپنے اختیار کے روح سے وہ نہ صرف چُنتا ہے بلکہ ردّ بھی کرتا ہے۔ آئیے ہم کلام کے مخصوص حصوں پر سوچیں۔ کوئی نہ کوئی حقیقت چُن لی جاتی ہے گویا کہ اُس کی تشریح ہو رہی ہے، تاکہ اُس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکے۔ خُدا بہت زور آور ہے۔ وہ سزا بھی دے سکتا ہے اور ردّ بھی کر سکتا ہے۔ اگر ہم اُس کو نہیں مانتے تو اُس کا مرتبہ کم نہیں ہو جاتا۔ وہ کسی کا طرفدار نہیں۔ وہ بالکل آزاد ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو انسان بالکل ہی باغی ہو، خُدا اُسے اپنے مقصد کو پُورا کرنے کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً فرعون جس نے بہت ہی ہٹ دھرمی سے خُدا کا مقابلہ کیا آخر کار بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ کہ غلامی کے گھر سے چلے جائیں (۹:۱۷)۔ جس طریقے سے خُدا اپنی مخلوقات سے برتاؤ کرتا ہے، وہ ایک راز ہے اور ہماری سمجھ سے بعید ہے۔

کیا اس میں کوئی حیرانی کی بات ہے کہ ہم اپنے محدود ذہن سے خُدا

کے خیالات کو نہیں پا سکتے؟ جو روشنی خُدا ہمیں دیتا ہے وہ ہمارے "پاؤں کے لیے چراغ ہے"۔ خُدا تک پہنچنے کے لیے یہ چراغ ہمیں ٹھوکر کھانے سے بچائے رکھتا ہے۔ یہ ایسی روشنی نہیں جو ہمیں خُدا کو صلاح و مشورہ دینے کے قابل بنا دے۔ کیونکہ خُدا اس "نور میں رہتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی" (۱۔ تیمتھیُس ۶:۱۶)۔ خُداوند کے کاموں کے بیان کو ختم کر کے پَولُس خُداوند کی تعریف میں آواز بلند کرتا ہے (۱۱:۳۳-۳۶)۔ وہ ہمیں مُفت بخشتا ہے۔ جس کے ہم مستحق نہیں۔ اس نے غیر اقوام کو جن کے ذہن "تاریک" ہو چکے تھے اپنی طرف بلایا، اور بنی اسرائیل کی واپسی کے لیے بھی راہ تیار کر رہا ہے۔ سب نعمتیں اُس سے صادر ہوتی ہیں اور ہر ایک چیز کا اختتام اُس میں ہے (۱۱:۳۵)۔ اُس کے پاس ہر ایک انسان کے لیے گنجائش ہے۔ نجات اور ترقی ہر ایک انسان کے لیے ہے۔ یہی خُدا کا جلال ہے۔

۶ چند عملی سوالات :- ۱۲:۱-۱۳:۱۰

وہ انسان جو مسیح یسوؔع کے وسیلہ سے بچ چُکا ہے اپنی زندگی کے گوناگوں مسائل سے کیسے نپٹتا ہے؟ پَولُس رسول ۱۲-۱۶ ابواب میں کچھ مسائل کے عملی پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ لیکن جو کچھ وہ بیان کرتا ہے وہ جامع اور حرفِ آخر نہیں، اور اس کی ضرورت بھی نہیں

کیونکہ پاک رُوح ایماندار کی ہدایت کرتا ہے (یوحنا ۱۶ : ۱۳)۔

۱۔ پاک زندگی بسر کرنے کا کیا مطلب ہے؛ ۱۲ : ۱-۲۔

اپنے بدن زندہ قربانی ہونے کے لیے نذر کرو ۱۲ : ۱۔

قربانی کے متعلق ہم پہلے ہی کافی سُن چکے ہیں بلکہ ہماری نجات بھی مسیح کی قربانی پر مبنی ہے۔ وہ ہمارے گناہوں کی خاطر مُوا (۲ : ۲۵) ہمیشہ کے لیے ایک بار مُوا (۹ : ۱۰)۔ اس کا مطلب ہے کہ مسیح کی قربانی کافی اور وافی ہے اور نہ ہی دیگر قربانیوں کی اور نہ ہی اعمال کی ضرورت ہے۔ لیکن مسیح کی صلیب پر قربانی ہمارے لیے یہ ممکن بنا دیتی ہے کہ ایک قابل قبول اور پسندیدہ قربانی خدا کے حضور گذرانیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ہم نے ایمان سے مسیح کی قربانی کو قبول کر لیا ہے لہذا ہم خُدا کی نگاہ میں گناہ کے اعتبار سے پاک و صاف ہیں اور اب اپنے تئیں خُدا کے حضور پیش کر سکتے ہیں۔

قربانیاں مذہب کی رُوح رواں ہوتی ہیں۔ یہ عبادت کی بنیادی چیزیں شمار کی جاتی ہیں۔ جس سے انسان خُدا وند کے اختیار اور اس کی برتری کو تسلیم کرتا ہے۔ خُدا سے ڈرنے والے ڈر ڈر کر قربانیاں لاتے مگر خود غرض خود غرضی سے اور نفسانی اپنی خواہشات کی سیری کے لیے۔ افسوس! ایسی سب قربانیاں گناہ آلُود ہیں۔ کیا خُدا وند جو پاک ہے ناپاک چیزیں قبول کرے گا؟

اگر ایک مسیحی مسیح کے ذریعے سے دھل کر اپنے گناہوں سے پاک ہو گیا ہے تو پھر افسوس کا مقام ہے کہ اس کی شکر گزاری، حمد و ثنا اور تعظیم خُدا وند کا خوف پیدا کرنے کی بجائے خود غرضی کا شکار ہو جائیں۔ کیا ایک مسیحی کو یہ کہنا چاہیئے کہ "چونکہ مسیح نے اپنی جان قربان کر دی ہے لہذا مجھے خُدا کے لیے کچھ بھی قربان کرنے کی ضرورت نہیں"؟ اگر وہ ایسا کہے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ مسیح کو خود غرضی کا آلہ بنا رہا ہے "زندہ قربانی" بحیثیت ایماندار جو ایمان ہم رکھتے ہیں وہ فنا سے بقا اور موت سے زندگی میں داخل ہونا ہے۔ ہم صرف مسیح کے ساتھ مرے ہی نہیں، بلکہ مسیح کی موت کا سبب بھی ہیں۔ باوجود ایں ہمہ خدا کے رحم و کرم سے ہمیں زندگی بخشی جاتی ہے۔ اس طرح سے ہماری تمام زندگی خُدا کے ساتھ مسلسل رفاقت بن جاتی ہے اس وقت "پرستش" کے معنوں میں ہماری خدمت (۱۲ : ۱) اور روز مرہ کے کاروبار کے معنوں میں "خدمت" میں کوئی فرق نہیں رہتا یعنی ہماری پرستش اور روز مرہ کا کاروبار دونوں خدمت بن جاتے ہیں۔ (یونانی میں جس لفظ کا ترجمہ "عبادت" کیا گیا ہے اس کا ترجمہ "خدمت" بھی ہو سکتا ہے)۔ جب ہم اپنے آپ کو بطور قربانی پیش کرتے ہیں تو خُدا اُسے واجب اور "معقول" عبادت سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ حقیقت یہ کہ ایک مسیحی کی تمام زندگی عبادت کی زندگی ہونی چاہیئے جو خُدا وند کی مسلسل قربت اور یگانگت سے صادر ہوتی ہو۔ یعنی کہ روز مرہ کی بے لطف زندگی

اور معمول مُقدّس بن جائیں اور تمام دن اسی پناہ گاہ میں گزر جائے۔
"اپنے بدن نذر کرو"۔ "نذر" (خونی نذر) کی اصلاح بدن پر دلالت
کرتی ہے۔ بدن اور گناہ کے تعلق پر زور دے کر پولُس بدن کی مخصوصیت
پر زور دیتا ہے (۷ : ۲۵)۔ پھر عقل کے نئے ہو جانے کا تذکرہ کرتا
ہے (۱۲ : ۲) اور کہتا ہے کہ مسیحی ذہن میں نئے خیالات ہوتے ہیں،
نئی آراء، نئے کشف اور نئے فیصلے۔ مزید کہتا ہے کہ ایک مسیحی کا
نظریہ دولت کے متعلق بھی بدلنا چاہیئے۔ ایک دل جو خداوند کے
سپرد ہو چکا ہو اُس میں خود غرضی کیسے سما سکتی ہے؟ یا وہ ہدیہ جو
خداوند کے حضور بے دلی سے پیش کیا جائے کیسے قبول ہو سکتا ہے؟
تعلیم کے بارے میں بھی نظریات کی نظر ثانی ہونی چاہیئے۔ اگر تعلیم
کا مجسمہ بنا کر پوجا شروع کر دیں، تو کیا روح اور راستی سے خدا کی
پرستش ہو سکتی ہے؟ یا اس بات کے لیے کوشاں رہیں کہ خدا کی برکتوں
کی نسبت ہمارے بچے تعلیمی برکتوں سے مزیّن ہو جائیں تو کیا یہ تعلیم کو
خدا پر ترجیح دینا نہ ہوگا؟ اور اگر کلیسیا کے رہنماؤں کے چناؤ میں ہم
پرہیزگاری اور دینداری کی بجائے تعلیم پر زیادہ توجہ دیں تو کیا حشر
ہوگا؟ ہمیں اس قابل ہونا چاہیئے اور یہ جاننے کے لیے خواہش مند
رہنا چاہیئے کہ خداوند کی پسندیدہ اور کامل مرضی کیا ہے۔ ہاں! کامل۔
وہ شخص گھٹیا درجے کا عالم ہوگا جو اتنے ہی نمبر حاصل کرنے کا آرزو
مند ہو جو صرف پاس ہونے کے لیے کافی ہوں۔ اسی طرح ہم گھٹیا درجے

کے مسیحی ہوں گے اگر ہم اتنے ہی مسیحی ہوں کہ خدا کی سزا سے بچ سکیں۔
ہمیں کامل ہونا ہے (متی ۵ : ۴۸)۔

۲۔ کلیسیا میں تعاون ۱۲ : ۳-۸

کلام کے اس حصے میں پولُس رسول ایک ایسی کلیسیا کی تصویر کھینچتا ہے
جس میں طرح طرح کی روحانی بخششیں پائی جاتی ہیں۔ کیا ان آیات میں ہماری
کلیسیا کا بیان بھی ہے؟ ایک ایسا گروہ بننے کی بجائے جس کا مقصد
مطلب برآوری ہو، اگر ہم ایک ایسی جماعت میں منظم ہو جائیں جس
میں خدمت کی روح ہو تو ہم قریباً ابتدائی کلیسیا کے سے ہو جائیں
گے۔ گوناگوں خدمات، اہم اور ضروری ہیں کیونکہ یہ جسمانی اور روحانی
برکتیں مہیا کرتی ہیں۔ تمام خادموں اور خاص طور پہ نبیوں کو ہدایت کی
گئی ہے کہ اپنے ایمان کے اندازے کے مطابق خدمت کریں (۱۲ : ۶)۔
اگر کوئی اپنی بخشش کو ایمان کے اندازے سے بڑھ کر استعمال کرے
گا تو یہ نقصان دہ اور ریاکاری ہوگی۔ کلیسیا مسیح کا بدن تبھی ہو
سکتی ہے، جبکہ ایمان کے وسیلے سے اس کا مسیح کے ساتھ مسلسل تعلق،
اور اس کے تفضل پر تکیہ اور بھروسہ ہو۔
"خیرات بانٹنے والا" ۲ : ۸ ۔ غالباً اس آیت میں کسی خاص
عہدے دار کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ کلیسیا کے ہر ایک فرد کو "خیرات"
کی تلقین کی گئی ہے۔ خاص کر دولت مندوں کو۔ انہیں کم سے کم نہیں دینا

چاہیئے بلکہ خداوند مسیح پر نگاہ رکھتے ہوئے اور خود غرضی کو بالائے طاق رکھ کر سخاوت سے بانٹنا چاہیئے۔

"رحم کرنے والا"۔ ایک تیمار دار کو ہنس مُکھ ہونا چاہیئے اور اپنے پیسے اور وقت سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اُسے خوش کرنا چاہیئے کہ اس نے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی کی خدمت کی ہے (متی ۲۵: ۴۰)۔

۳۔ حلیمی اور ہمدردی کے بارے میں نصیحت ۱۲: ۹-۱۶

حلیمی اور ہمدردی مسیحی زندگی کے لیے چند مشورے ہیں جو ایمان کے اندازے کے مطابق فروزاں ہوتے ہیں اور شاگرد پولس کو تفویض ہوئے تھے۔ محبت کے اظہار کے لیے کلیسیا ایک تربیت گاہ ہے۔ آپس کا میل جول، باہمی دُعا اور غور وفکر بابرکت نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ آپس میں محبت نہ ہو۔ محبت کو ایک حقیقی شے بننے دیں جو ہر روز تر وتازہ ہو، ہمسایہ کے نقطۂ نظر میں شریک ہو اور اگر ہمسائے نے کوئی کامیابی حاصل کی ہو تو اس پر خوش اور شادماں ہو۔ نیز یہ ایسی خوشی ہو جس میں حسد کی بُو تک نہ ہو اور بدی کی روک تھام کرتی رہے۔

"اُونچے اونچے خیال نہ باندھو" ۱۲: ۱۶۔

ایذارسانی کے دنوں میں بھی کلیسیا بلند نظری اور قدر دانی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔ مثلاً کسی کو اہم عہدہ سونپ سکتی ہے اور کسی کی

سفارش یا تعریف کر سکتی ہے۔ لیکن اگر کلیسیا میں ان باتوں کے کئی دعویدار ہوں گے تو کلیسیا میں پھوٹ پڑ جائے گی اور رفاقت کا جنازہ اُٹھ جائے گا۔ اس لیے پولس نصیحت کرتا ہے کہ تم اُونچے اُونچے خیالات سے مسلسل گریز کر کے اپنی توجہ ان ادنیٰ خدمات کی طرف کریں جن میں نہ کوئی دنیاوی عزت ہے اور نہ ہی کوئی کشش صرف ایک حقیقی مسیحی ہی فضا کو مکدر اور تلخی پیدا کیے بغیر یہ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ خدا کا خادم ہے جس کو اس نے اپنی بادشاہت میں باعزت مقام بخش دیا ہے۔ مزید برآں ایسا کرنے سے اس کی ملاقات "دل کے غریب" لوگوں سے بھی ہو گی۔ لہٰذا وہ جو کچھ کھوتا ہے اُس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

۴۔ غیروں کے متعلق نظریہ ۱۲: ۱۷-۲۱۔

پولس، کلیسیا کے شرکاء اور جو نہیں ہیں، ہر دو کے باہمی تعلقات کے بارے میں بتاتا ہے۔ تہیہ کریں کہ کوئی شخص آپ پر الزام نہ لگا سکے (۱۲: ۱۷)۔ ہو سکتا ہے کہ اغیار کسی نہ کسی طرح سے دھوکہ کھا جائیں اور آپ کے ساتھ بدی کریں لیکن ان کی نیک و بد کی تمیز کا خیال رکھیں۔ خواہ مخواہ دشمنی نہ بڑھائی جائے بلکہ صلح اور میل ملاپ کی کوشش کی جائے۔ کلامِ مقدس کے کچھ حصّے دشمنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ نیکی کرنے کی ہدایت کے لیے پولس اپنی نظر خداوند کی طرف پھیرتا ہے۔ کیونکہ خداوند انتقام لیتا ہے، لہٰذا ایک مسیحی کو انتقام لینے کی

کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ چونکہ خداوند تلافی کرتا ہے، اس لیے ایک مسیحی کو کبھی گھاٹا نہ پڑے گا۔ دشمن کو کھانا کھلانا، اُسے پانی پلانا تو ہمارا معمول ہونا چاہیئے ہمیں ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ عین اس وقت جب ہم خداوند کے دشمن تھے اس نے ہمارے لیے کتنا بڑا کام کیا (۵ : ۱۰)۔ بہر حال یہ ایک ایسی بات ہے جس کو رُوح القدس ہی ہمارے ذہنوں میں اتار سکتا ہے۔

"غضب کو موقع دو" ۱۲ : ۱۹ - یعنی خداوند کے غضب کو موقع دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلد بازی میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو خدا کی مکمل مرضی میں مداخلت کرے۔

"تو اس کے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگائے گا" ۱۲ : ۲۰ -
یہ حوالہ امثال ۲۵ : ۲۱ - ۲۲ سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی نیکی سے اپنے دشمن کو اُس کی بدی کی طرف سے شرم دلائیں۔

۵- مسیحی غیر مسیحی حکومت کے تحت ۱۳ : ۱ - ۱۰ -

ایک مسیحی کو کلیسیا میں حقیقی گھر مل جاتا ہے۔ اس گھر میں اُسے بہن اور بھائی مل جاتے ہیں جن کی وہ حتی المقدور اور بصد شوق خدمت بھی کرتا ہے اور مسیح میں عزت بھی۔ لیکن مسیحی برادری کے رُکن ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بڑی برادری یعنی بنی نوع انسان کی برادری سے خارج ہو جاتا ہے۔ کاروبار میں اور دیگر پیشوں میں ایک

مسیحی ان لوگوں میں جن میں وہ کام کرتا ہے ان جیسی ہی حیثیت رکھتا ہے۔ پولس رسول کے خطوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ لدیہ مسیحی ہونے کے بعد بھی قرمز کا کاروبار کرتی رہی اور رسول خود بھی خیمہ دوزی کرتا رہا (اعمال ۱۸ : ۳)۔ بنی نوع انسان ایک اقتصادی گروہ ہی نہیں بلکہ وہ سلطنتوں میں بھی بٹا ہوا ہے۔ ایک شخص مسیحی ہونے کے باوجود بھی ایک وسیع قوم کا فرد ہے۔

شاید عام طور پر پولس کی یہ تعلیم کہ مسیحیوں کا فرض ہے کہ حکومت کے تابع رہیں، ہم قبول کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر حکومت کوئی غلطی کر رہی ہو تو پھر کیا کرنا چاہیئے؟ اگر حکومت کسی بدی کی حمایت کرنے میں طاقت استعمال کرے تو کیا ایسی حکومت کا تختہ نہیں اُلٹ دینا چاہیئے! دوسرے الفاظ میں کیا انقلاب جائز اور روا نہیں ہوتا! صاف ظاہر ہے کہ پولس کا جواب اس کے خلاف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حکومت کو تہ و بالا کر کے کسی ایک بُرائی کا ازالہ ہو جائے۔ لیکن حکومت کے نظام تتر بتر کرنا رعایا کے ساتھ ایک بدترین ناانصافی ہوگی، کیونکہ اس طرح ایک مستحکم حکومت کے تحت جو شیرازہ رعایا کو یک جا باندھے جاتا ہے ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ یہ بات اربابِ اقتدار کی ذمہ داری کو کسی صورت میں بھی کم نہیں کرتی۔ وہ عام طور پر تساہل و تغافل، سنگ دلی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے رعایا میں انتشار اور ابتری کے اخلاقی طور پر ذمہ دار

گردانے جاتے ہیں۔

تواریخ شاہد ہے کہ پُولُس حق بجانب ہے کیونکہ بھی قوم کو لے لیں جو کہ انقلاب پسند ہو آپ دیکھیں کہ ایک انقلاب دوسرے انقلاب کا موجب بنتا ہے اور گڑبڑی اور ابتری سے وہ خاص بُرائی جو انقلاب سے دُور ہو جاتی ہے اس کی نسبت بہت زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ انقلاب صرف وُہی نہیں ہوتا جس میں مورچے بنائے جائیں اور گلی کوچوں میں لڑائی ہو۔ بلکہ انقلاب وہ بھی ہے جہاں ایک خاص فائدہ کی خاطر پبلک کا اعتماد اُٹھ جائے اور عوام کا آرام و سکُون منتشر ہو جائے۔ لبعض قوموں کی موجودہ پالیسی کا ڈھب اور انداز انقلابی طرز پر ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوش و خروش کی جولانی ہوتی ہے۔ حقیقت کو بڑھا چڑھا کر بتایا جاتا ہے اور نیم سچّائی کی جو کہ انقلاب کی خصوصیت ہے ڈھونڈی پیٹی جاتی ہے۔ اصل میں انقلاب کے یہی ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔ اس کا حشر کیا ہوتا ہے؟ قیمتوں میں عدم استحکام پیدا ہو جاتا ہے، تجارت گھٹ جاتی ہے اور دھوکے اور فریب کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منظم حکومت کی نسبت ان حالات میں بے اندازہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

ایک مجسٹریٹ خُدا کا نوکر ہے جو بدکاروں سے الٰہی انتقام لیتا ہے (۱۳: ۳-۴)۔ کیا یہ اس مجسٹریٹ کے بارے میں بھی درست ہے جس نے پُولُس کو مسیح کا انکار نہ کرنے پر موت کا حکم دیا تھا؟

نہیں، ہرگز نہیں۔ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو قیصر کی نہیں۔ اس موقع پر، اور جیسے کئی دُوسرے موقعوں پر ایسے حالات میں مسیحیوں نے کیا، یہ تھا کہ انہوں نے مُصیبت و ظُلم کو برداشت کر لیا۔ ظلم و ستم سہنے سے انجام کار ظلم و ستم رُک جاتا ہے۔ لہٰذا تشدّد کا تشدّد سے، نفرت کا نفرت سے اور ناانصافی کا ناانصافی سے جواب نہ دیں بلکہ بُدی پر نیکی سے غالب آئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو قیصر کی نہیں۔ اگر قیصر اُن میں مداخلت کرتا ہے تو اس کی تابعداری نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ایک بات ہے کہ اگر مسیحی ان چیزوں کو قیصر کے سامنے لے آئیں اور اُسے مذہبی عقائد کے متعلق فتوے دینے کو کہیں، مثلاً پادری کے عہدے پر تقرریہ کی درستی کے متعلق یا کسی کلیسیائی قواعد کی منسوخی کے متعلق، تو کیا کرنا چاہیئے؟ ایسے معاملات میں خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو یہ دیکھیں کہ کیا غیر اقوام کے مابین مسیح خُداوند کی تمجید ہوئی ہے اور اس کے نام نے جلال پایا ہے؟ اگر مسیحی دینی مُعاملات کے حل کے لیے قیصر کے پاس جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیصر کو خُدا سے بڑا سمجھتے ہیں اور وہ خُدا کی تابعداری بھی اُسی وقت کریں گے جبکہ قیصر ان کو مجبُور کرے۔ خُدا کی ایسی تابعداری جو قیصر کی مدد و مداخلت سے کی جائے، اس کی کھُلی مخالفت کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قیصر کو دعوت دی جاتی ہے کہ الٰہی چیزوں پر

اپنا اختیار جمائے۔ یہ بھی ایک طرح کا اپنے اُوپر مذہبی عذاب لانے والی بات ہے۔

"کسی کے قرضدار نہ ہو" ۱۳ : ۸ ۔ اپنی ذمّہ داریاں پوری نہ کرنے کی وجہ سے دُنیا میں کتنا رنج والم اور کتنے جھگڑے برپا ہوتے ہیں! جو شخص صلح سلامتی کا فرزند ہوگا وہ ہمیشہ گریز کرے گا کہ کوئی ایسا وعدہ نہ کر بیٹھے جسے وہ پُورا نہ کر سکے اور اُسے مقروض ہونا پڑے۔ وہ ایسی زبان دینے سے کترائے گا جس کے ایفا کرنے کا اُسے یقین نہ ہو۔ یہ منفی پہلو ہے۔ مُثبت پہلو جو محبّت کی ترغیب دیتا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ ایک مسیحی کے لیے محبّت کا قانون ایک اعلیٰ ترین قانون ہے۔ ہم اپنے آقا کی محبّت کے مقروض ہیں اور اس کے لوگ ہونے کی حیثیت سے ہم یہ قرضہ چُکا رہے ہیں۔

۷۔ مسیحی اور اُس کا کمزور بھائی ۱۳ : ۱۱-۱۵ : ۱۳

۱۔ جسم کی فکر نہ کرو ۱۳ : ۱۱-۱۴

جیسے پانچویں باب کی چوتھی آیت میں اور آٹھویں باب کی ۲۵ ویں میں پَولُس نے ہمیں اس دنیا سے نظریں اٹھانے کی تلقین ویسے ہی ۱۳ : ۱۱-۱۴ میں فرماتا ہے کہ ہم ان چیزوں کی طرف

نگاہ کریں جو خُدا نے ہمارے لیے مخصوص کر رکھی ہیں۔ "اب ہماری نجات نزدیک ہے"۔ پَولُس کو فکر دامن گیر ہے کہ رُومہ کے مسیحیوں کی اُمّید برقرار رہے۔ پَولُس ان کے مسیحی ہونے سے اب تک کے عرصہ کے متعلق فکر مند نہیں، بلکہ ان کی موجودہ حالت کے متعلق دل برداشتہ ہے۔ کیا وُہ سوئے ہوئے ہیں؟ جیسے ایک خوابیدہ اِنسان کے ذہن سے چیزیں کوسوں دُور ہوتی ہیں، کیا ویسے ہی رُوحانی چیزیں ان کے اذہان سے الگ تھلگ ہیں؟ کیا یہ جہان، اِس کی لذّات، رنگ رلیاں اور اُس کے گناہ بہت ہی قریب ہیں؟ تاریکی کے کام کچھ ایسے بھی ہیں جو اس دنیا کی روشنی کو ماند کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسے کاموں میں محو ہیں تو کیا ہم دیانتداری سے یقین کر سکتے ہیں کہ ہم روشنی کی طرف بڑھ رہے ہیں؟

"خُداوند یسوّع مسیح کو پہن لو۔" مسیح کے ساتھ ہماری یگانگت اتنی گہری ہونی چاہیئے کہ ہماری شکل بھی مسیح کی سی ہو جائے، گویا کہ وہ ہماری پوشاک ہے۔ ہمیں اپنی جسمانی ضروریات کی ضرور فکر کرنی چاہیئے۔ مگر اس حد تک نہیں کہ اُسے زندگی کا مقصد بنا لیا جائے۔ جسم کی قدر کرنی چاہیئے تاکہ خداوند کے اعلیٰ مقاصد کو پُورا کرنے کا ذریعہ ٹھہرے۔

۲۔ مسیحی آزادی مسیحی محبّت کی پابندی میں ۱۴ : ۱-۱۵ : ۱۳

کلام کا یہ حصّہ کلیسیا کی زندگی کا ایک اور پہلو بیان کرتا ہے کہ

جو ایمان میں کمزور ہیں اُن کے ساتھ کیسے برتاؤ کرنا چاہیئے ؟ کمزور ایمان والوں سے کیا مراد ہے؟ ۱۴ : ۲۲ میں بتایا گیا ہے کہ " جو کسی چیز میں شبہ رکھتا ہے" وہ کمزور ہے۔ اسی ضمن میں ۴ : ۱۹ — ۲۰ میں ذکر ہے کہ ابرہام جس نے خدا وند کے وعدہ پر لغزش نہ کھائی اور شک نہ کیا اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ " وہ ایمان میں ضعیف نہ ہوا۔" ہمیں اس بات پر بھی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ رسولوں کے زمانے میں بھی شک کرنے والے موجود تھے اور جو خود خداوند کے پاس آتے وہ بھی شک کا شکار ہو گئے تھے (دیکھئے مرقس ۹ : ۲۳ - ۲۴)۔ آج کل بھی شک کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ کچھ لوگ ایسے سوال کرتے ہیں کہ کیا گوشت کھانا روا ہے ؟ کیا اتوار کو سفر کر لینا چاہیئے ؟ ان سوالوں کے جواب ایک جیسے نہ ہوں گے اور نہ ان پر مزید بحث مفید ہوگی۔ شکوک کا خاصہ ہے کہ انسان کو تذبذب میں ڈال دیں، رفاقت کو مایوسی میں بدل دیں اور اس طرح روحانی زندگی کو کمزور کر دیں۔

تو پھر کیا کیا جائے ؟ کیا شک کرنے والوں کو کلیسیا سے دُور ہی رکھا جائے تاکہ کلیسیا خراب نہ ہو؟ پولس کا جواب صاف اور واضح ہے " کمزور ایمان والے کو اپنے میں شامل تو کر لو" (۱۴ : ۱)۔ اس کا بھی حق ہے کہ رفاقت میں شامل ہو۔ چونکہ کم ایمان والوں اور مقابلتاً کم نعمت والوں کو خارج کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

(۱۲ : ۶)۔ لہذا کمزور ایمان والوں کو بھی علیحدہ نہ کرنا چاہیئے۔ وہ ایمان رکھتے ہیں اور مسیح کے سوا کسی اور نجات دہندہ کی طرف نہیں تکتے۔ پولس ان کا مقابلہ کمزور اخلاق والوں کے ساتھ کرتا ہے جن کی آزادی پر پابندی لگانی چاہیئے۔ تاریکی کے کاموں کی کلیسیائی رفاقت میں کوئی گنجائش نہیں (۱۳ : ۱۲)۔ جو ایسے کام کرتے ہیں وہ اپنے آقا کے وفادار نہیں۔ وہ اُسے روشنی کے خلاف جو اُن میں ہے گناہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف کمزور ایمان والے اپنی روشنی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ غلطی اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کے ایمان کی روشنی ان کی تمام زندگی کے پیچیدہ مسائل کو روشن نہیں کرتی۔ "کمزور ایمان والے کو شامل تو کر لو" لیکن اس کے شکوک پر بحث کرنے کے لیے نہیں۔ یہ ایک تعجب خیز نصیحت ہے۔ کمزور ایمان والوں کے وسوسے تو انہیں پریشان کئے ہوئے ہیں لیکن نصیحت ہے کہ ان کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ وہ خیالات جو آپس میں برسرِ پیکار ہیں ان کے ذہنوں میں چکر لگا رہے ہیں۔ کیا اس پریشانی سے اُنہیں نجات نہ دلائی جائے ؟ کیا ان کے مسئلوں کو حل نہ کیا جائے؟ پولس رسول کا جواب ہے کہ ان کی بہترین مدد یہ ہے کہ ان کی توجہ ان شکوک سے ہٹائی جائے اور ایمان کے لحاظ سے اُن سے یگانگت رکھی جائے، کیونکہ اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اگر شک و شبہ کو دِل چسپیوں کا مرکز بنایا جائے گا تو وہم و گمان

اور بڑھیں گے اور اگر انہیں تن تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ خود بخود مرکھپ جائیں گے۔ جو وہم وگمان کے شکار ہوں وہ اپنی توجہ اس چیز پر مرکوز کریں جسے وہ سمجھتے ہیں، نہ کہ ایسی چیز پر توجہ دیں جس کے متعلق انہیں شبہ ہو۔ کاش، ان کے خیالات مسیح کی تابعداری کی قید میں آجائیں، پھر وہ آوارہ اور گمراہ نہ ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ کوئی کمزور رہے گا نہ کوئی طاقتور، بلکہ مسیح میں سب ایک ہو جائیں گے۔

کیا مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کمزور ایمان والے سے کہا جائے کہ اپنے شکوک کو ایسے رد کردے کہ گویا وہ تھے ہی نہیں؟ لیکن وہ اپنے آپ کو بے حال وپریشان کئے بغیر کیسے کر سکتا ہے، ایک دفعہ کسی نے کہا کہ "سبت کا حکم خدا کے دوسرے حکموں کی طرح جن کا ذکر ۱۳: ۹ میں ہے ایک مستقل حکم ہے"۔ دوسرے نے کہا کہ "عید فسح ایک ایسا تہوار ہے جسے مسیح کی موت نے مقدس کر دیا ہے۔ مسیحیوں کو اس تہوار کو یہودیوں سے کم نہیں منانا چاہیئے"۔ گوشت کے کھانے کا ایک اور مسئلہ ہے جو بحث طلب ہے۔ پولس کے زمانے میں قصابوں کی دکانوں پر گوشت بکتا تھا۔ اس میں سے بیشتر وہ گوشت ہوتا تھا جو کہ بتوں کی قربانی کا گوشت تھا۔ لہذا سوال اٹھا کہ کیا گوشت سے بالکل ہی پرہیز کیا جائے تاکہ کسی نہ کسی طرح بت پرستی میں نہ شامل ہو جائیں؟ (دیکھئے ۱۔کرنتھیوں باب ۸)

اگر کسی کا ایسا نظریہ ہو تو گوشت بالکل نہ کھائے۔ پہلے آدمی اپنے ذہن میں پورے طور پر یقین کرلے، تو پھر کوئی قدم اٹھائے (۱۴: ۵)۔

اگر کوئی گوشت کھانے سے گریز کرتا ہے تو خداوند کے لیے گریز کرتا ہے۔ "زور آور" ایمان کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ وہ ایمان نہیں جو خداوند کی حضوری کو حقیقی بنا دیتا ہے؟ اس کے متعلق پولس رسول ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

اگرچہ اصولی طور پر کمزور ایمان والے شخص کا مسئلہ بیان بالا کی روشنی میں صاف ہو جاتا ہے، لیکن عملی لحاظ سے یہ مسئلہ زیادہ مشکل ہے۔ فرض کریں کہ پکے اور کمزور ایمان والے کسی ناگوار بحث میں نہیں الجھتے، تاہم اختلاف رائے آسانی سے ختم نہیں ہوتی۔ یہ موجود ہوتی اور پریشان کرتی رہتی ہے، اور زود رنجی اور چڑچڑاپن پیدا کر دیتی ہے۔ مضبوط ایمان والا پسند نہیں کرتا کہ اس کی آزادی پر اعتراض کیا جائے۔ ضعیف ایمان والے کے لیے یہ ماننا دشوار ہوجاتا ہے کہ دوسرے اتنے ہی مخلص ہیں جتنا کہ وہ ہے۔ وہ محکم ایمان والے پر الزام لگاتا ہے (۱۴: ۳)۔ اس جگہ ہماری توجہ کو پولس خداوند کے رویے کی طرف مبذول کرتا ہے اگر میرا مسیحی بھائی نہیں سمجھتا تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ جبکہ خداوند میرے بھائی کی خدمت کو قبول کرتا ہے، تو میں کون ہوں کہ اعتراض کردوں؟ اگر میں الزام لگانے کی آزمائش میں پھنس جاؤں تو مجھے یاد رکھنا چاہیئے کہ میں اور میرا کمزور بھائی دونوں خدا

کے تخت کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ میں سزا کے لائق ہوں اور سوائے اُس کے رحم کے کوئی چارہ نہیں۔

اِس سے بھی پولُس مطمئن نہیں۔ دوسروں پر الزام لگانے سے گریز کرنا یقینی طور پر اچھی بات ہے۔ لیکن ایک مسیحی کو بُرائی نہ کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے۔ اُسے ناتوانوں کی کمزوریوں کو برداشت کرنا ہے (۱۵: ۱)۔ ان کی ترقی کے لیے اُسے مددگار بننا ہے (۱۴: ۱۹)۔ زور آور پر لازم آتا ہے کہ کمزور کی خاطر اپنی آزادی کو بھول جائے (۱۴: ۱۵، ۱۶)۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنی مثال سے کسی کمزور کو اس کے عقائد کے خلاف کچھ کرنے کا سبب ٹھہروں۔ ہوسکتا ہے کہ میری آزادی کے سامنے وہ اپنی احتیاط پر شرم محسوس کرے اور کوئی ایسی بات کر بیٹھے جس پر اُس کا ضمیر اُسے لعن طعن کرے۔ یاد رکھیے کہ اُس کی یہ احتیاط خُداوند کی خاطر تھی۔ اور اُس نے ایک آدمی کی خاطر اس کی نظروں میں مقبول ہونے کے لیے اور اس کی حقارت آمیز مسکراہٹ سے بچنے کے لیے اُس کو چھوڑ دیا ہے۔ یوں اُس کی نئی آزادی نے اُسے اپنے خُداوند سے الگ کر دیا ہے اس سے اُسے کوئی فائدہ نہیں ہُوا بلکہ اس کے لیے پھندا بن گیا۔

ہم میں سے کوئی اپنے واسطے نہیں جیتا (۱۴: ۷)۔ شاید میں اپنے کمزور بھائی کی شراب خوری کی ذمہ داری لینے سے انکار کروں۔ لیکن اس کے اثرات کا ذمہ اٹھانے سے انکار نہیں کر سکتا۔ شراب خوری سے

جو عام اخلاقی گراوٹ پھیل جاتی ہے، مَیں اُس سے ضرور متاثر ہوں گا۔ ایک شرابی ڈرائیور کی لاپرواہی سے جو حادثہ ہو جاتا ہے شاید مَیں بازار کے کسی عام آدمی کی طرح اس سے مجرُوح ہو جاؤں۔ شراب خوری کی بُری لت سے جو جسمانی بیچارگی اور معذوری بڑھ جائے گی اور پبلک ہسپتال کے جو اخراجات بڑھ جائیں گے، ان کا بوجھ تو ضرور اٹھاؤں گا۔

"اگر ہم جیتے ہیں تو خُداوند کے واسطے جیتے ہیں" (۱۴: ۸)۔ ہمارے ایمان کا یہ ایک نازک امتحان ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے ہم اس موضوع کے آخری مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں کہ کمزور اور باطل ایمان میں فرق یہ ہے کہ ہم کمزور ایمان کی برداشت کریں مگر باطل ایمان کا مقابلہ کریں۔

کلُسیوں ۲: ۱۶-۲۳ میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مسیحیوں نے کھانے پینے، تہواروں اور سبتوں کے بارے میں قوانین مرتب کر رکھے۔ جو باتیں اوپر بیان ہوئی ہیں گو اُن میں سے بعض بعینہٖ ویسی نہیں مگر اُس سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن کلُسیوں میں صبر و تحمّل کا نام و نشان نہیں تھا۔ جن کا نظریہ یہ تھا، اُنہیں سختی سے جھڑکا جاتا ہے، اور شرکاءِ کلیسیا کو آزادی برقرار رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ گلتیوں اور ۲۔کرنتھیوں میں اُنکی مخالفت جو بعض رسموں اور قوانین کی پیروی کے حامی ہیں اس سے بھی سخت الفاظ میں کی گئی ہے۔ پولُس اُنہیں نہایت سختی سے مجرم ٹھہراتا ہے اور وفادار مسیحیوں سے کہتا ہے کہ وہ غیر معقول تعلیم اور انجیل میں سے جس کو چاہیں چُن

لیں۔ ان دونوں میں سمجھوتہ ناممکن ہے۔

کیا وجہ ہے کہ اس جگہ تو پَولُسؔ کا رویّہ غیر مصالحتانہ ہے اور اس جگہ اتنا نرم اور صابرانہ ہے؟ وہ اس جگہ صابر اس وجہ سے ہے کہ یہاں ایمان اُس کا سابقہ کمزور ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اس جگہ اس کا رویّہ اس لیے سخت ہے کہ وہ ایسے آدمیوں سے نپٹ رہا تھا جو ایک "اور خوشخبری" کا اعلان بڑی سرگرمی سے کر رہے تھے (گلتیوں ۱:۸)۔ کمزور ایمان والوں کو احتیاط حیران و پریشان کرتی ہے۔ لیکن ان کا اعتماد اور تسلّی صرف مسیح یسوعؔ اور اس کی نجات میں ہے۔ گلتیوں میں پَولُسؔ کے مخالف خوشخبری میں شریعت کا اضافہ کر کے خُداوند کے فضل کو عبث بنا رہے تھے (گلتیوں ۲:۲۱)۔ وہ نجات کے ایک مختلف طریقے کی تعلیم دے رہے تھے یعنی شریعت کے کاموں سے راستبازی۔ اس طرح سے اس کام کو جو مسیح نے ہمارے لیے کیا ہے لاحاصل بنا رہے تھے۔ پَولُسؔ گلتیوں ۵:۲ میں کہتا ہے "اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا"۔

رُومیوں ۱۴ باب کے کمزور بھائیوں اور گلتیوں اور کرنتھیوں کے جھوٹے رسولوں میں (۲۔کرنتھیوں ۱۱:۱۳)۔ دو طرح کا فرق ہے۔ کمزور بھائی ایک دو خاص اصولوں کو اپنا لیتے ہیں جو کہ اُنہیں مرغوب ہوتے ہیں، اور یہ شاید مسیح کی فتح کے لگاؤ کے باعث ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بتوں کی قربانی کے گوشت کے متعلق اُن کے اعتقاد اُنہیں پریشان کرتے ہوں، اس کا سبب بھی سادہ ایمان ہی ہے، جو وہ مسیح پر رکھتے تھے۔ گلتیہ میں پَولُسؔ کے

مخالف یہ چاہتے ہیں کہ باضابطہ اور باقاعدہ طور پر پُرانے عہد نامے کی تمام کی تمام شریعت مسیحیوں پر ٹھونس دیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسیح پر ایمان لانے کے علاوہ موسیٰ کی شریعت پر بھی عمل کیا جائے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک شریعت پر عمل نہ کریں، تب تک مسیح پر ایمان لایا ہی نہیں جاسکتا اور اس طرح وہ خُداوند کے فضل کو بے اثر کر رہے تھے۔

رُومیوں ۱۴ باب کے مسیحی اس بات میں بھی کمزور تھے کہ وہ اپنے نظریات کی نشر و اشاعت نہیں کرتے تھے۔ وہ خود شک میں تھے۔ اُنہیں خدشہ تھا کہ دُوسرے اُن کی آنکھوں میں دھول نہ ڈال دیں اور اُنہیں ایسی باتیں نہ کرنی پڑیں جو اُن کے ضمیر کے خلاف ہوں۔ گلتیہ کے "جھوٹے بھائی" "اور خوشخبری" کے رسُول ہیں۔ وہ اُن کلیسیاؤں میں مداخلت کرتے ہیں جو اُن کو نہیں بلائیں، اور یُوں مسیحیوں کو جو کہ اپنے ایمان میں خوش و خرم ہیں حیران و پریشان کرتے ہیں۔ وُہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جو خوشخبری پَولُسؔ دیتا ہے اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ وہ کلیسیاؤں میں میں ماہری کا روپ دھارے ہوئے ہیں (۲۔کرنتھیوں ۱۱:۲۰)۔

اس لیے پَولُسؔ کی تعلیم میں کوئی الجھن نہیں۔ بلکہ یہ تو روزِ روشن کی طرح صاف ہے کیونکہ یہ انجیلِ مقدّس کی مرکزی سچّائی سے اخذ کی ہوئی ہے۔ مسیح ہماری خاطر مُوا جس سے ہماری مکمل نجات ہوگئی۔ جو بھی تعلیم اس سچّائی میں شک پیدا کرتی ہے وہ باطل ہے اور اس کی ہمہ تن مخالفت کرنی چاہیئے۔ مگر دوسری طرف کوئی ایسا نظریہ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن منجی خُداوند

کے جلال کا دم بھرتا ہو اس کی صبر سے برداشت کرنی چاہیئے، اور کمزور بھائی کے ساتھ جس کے لیے مسیح نے جان دی ہے صلح و صفائی کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

رومیوں ۱۴ باب اور گلتیوں میں کچھ بحث طلب مضامین ایک جیسے ہیں۔ مثلاً دنوں کے بارے میں دونوں خطوں میں زیرِ بحث مضمون کو مختلف رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بحث کرنے والوں کے نظریات مختلف ہیں۔ آج کل بھی کئی ایک مضامین پر جو کہ ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے نپٹنے کے لیے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا سابقہ کمزور ایمان والے سے ہے۔ یا اُس سے جو کوئی "اور خوشخبری" دیتا ہے۔ ایک دن لوتھر سے کسی نے پُوچھا کہ ایک نجات یافتہ مبلّغ کو چوغہ پہننا چاہیئے یا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ "اگر خوشخبری جو مبلّغ دیتا ہے اُس کا مدّعا انجیل کا جلال ہے تو مبلغ کو ایک کی بجائے چھ چوغے پہننے چاہئیں۔ لیکن اگر انجیل میں کچھ برکتوں کا اضافہ کرتا ہو جس کا کلام مقدس میں ذکر نہ ہو تو ایک چوغہ بھی بہت زیادہ ہے۔"

فی زمانہ جن آزمائشوں سے ہم دوچار ہوتے ہیں کاش، اُن سے نپٹنے کے لیے پولُس کی تعلیم پر عمل کریں، اور اپنے آپ کو سخت رویّے سے بچائیں تاکہ اس بھائی کے جذبات مجروح نہ ہوں جس کے لیے مسیح نے جان دی ہے! یا اس آرام دہ صبر و تحمّل کے عادی نہ ہو جائیں جس سے ہماری نجات کی دیواروں میں شگاف پڑ جائیں!

یہ باتیں ہمیں تسلّی دینے اور اُمید سے معمور کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں (۱۵:۴)۔ خدا کو اُمید کا خدا کہا گیا ہے (۱۵:۱۳)۔ کلامِ مقدّس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا بنی نوعِ انسان کی نجات کی اُمید ہے اور اس طرح وہ اُمید جو ہمارے دلوں میں جوش مارتی ہے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ خوشخبری جو پولُس نے ہم پر ظاہر کی ہے موجودہ مدد ہے کیونکہ یہ ہماری موجودہ ضروریات کا بھی حل بتاتی ہے اور اُمید کے وسیلے سے اب بھی ہمیں آنے والی دنیا کے جلال میں شریک کرتی ہے۔

۸۔ شخصی معاملات ۱۵:۱۴-۱۶:۲۷۔

(۱) پولُس رسُول اور رُومی کلیسیا ۱۵:۱۴-۲۳

اپنے ذہن میں اس خط کی نظرِثانی کرتے ہوئے جیسے کہ خط کے پہلے حصّے سے ظاہر ہے پولُس کو احساس ہے کہ جس کلیسیا سے وہ آشنائی نہیں رکھتا اور جس کی اُس نے بنیاد نہیں رکھی، وہ اُسے مسیحی تعلیم پر خط لکھنے سے حیرانی کا باعث بنے گا۔ جو کچھ اُس نے لکھا ہے وہ کوئی نئے عقائد نہیں اور وہ اپنے خط میں کسی نئی بات کا دعوٰی نہیں کرتا۔ لیکن یاد دہانی کرانا فائدہ مند سمجھتا ہے (۱۵:۱۵)۔ پولُس کو غیر اقوام کے لیے خاص حکم ملا تھا (دیکھئے ۱:۵)، لہذا رُومہ کی کلیسیا پولُس کے حلقۂ عمل میں تھی۔

آئندہ سفر کے لیے پولُس رسُول کی تجویز ۱۵:۲۴،۲۳-

پولُس نے خوشخبری کی منادی بحر ادریہ کے مشرق کی جانب مکمل کر لی

ہے (یونان کے شمال اور مکدنیہ کے مغرب کے علاقے کا پرانا نام الرکم ہے)۔ لہٰذا وہ راستے میں اٹلی اور رومہ سے ہوتا ہُوا سپین کو جانے کا قصد کرتا ہے۔ جہاں کہیں کسی دوسرے نے محنت کی ہو وہ وہاں نہیں ٹھہرتا اور آگے نئی جگہوں کو چلا جاتا ہے۔ رسول رومہ میں سکونت پذیر نہیں ہونا چاہتا۔ لیکن وہاں کے مسیحیوں کو مل کر مغرب کی طرف اپنے سفر پر جانا چاہتا ہے۔ اس جگہ وہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جو ا۔کرنتھیوں ۱۶ : ۶ میں ہے، جہاں وہ کرنتھس کی کلیسیا سے کہتا ہے کہ وہ اُسے یروشلیم میں اپنا نمائندہ بنا کر روانہ کریں۔ وہ رومی کلیسیا سے کہتا ہے کہ روحانی طور پر وہ اُس کے سپین کے سفر میں ساتھ ہے۔ وہ اُن کا نمائندہ ہو کر جاتا ہے اور بحیثیت مشنری کے کلیسیا کی مجموعی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے۔ اُن سے کہا گیا ہے کہ وہ اس کی انجیل کی منادی کی خدمت میں شریک ہوں۔

سپین جانے سے پہلے اُسے یروشلیم جانا تھا تاکہ وہ شکرگزاری کا چندہ جو مکدنیہ اور یونان میں اکٹھا ہُوا، یروشلیم کی کلیسیا کو دے دے۔ اس چندے کے متعلق ہمیں ا۔کرنتھیوں کے ۱۶ ویں باب اور خاص کر ۲۔کرنتھیوں کے آٹھویں اور نویں ابواب سے پتہ چلتا ہے۔ یروشلیم کی کلیسیا اور نئی کلیسیاؤں کے مابین رفاقت کی نشانی کے طور پر وہ یہ چندہ لانا چاہتا ہے۔ یہ عزت و تکریم کا قرضہ ہے جو نوعمر کلیسیائیں اُن کو ادا کر رہی ہیں، جنہوں نے انہیں روحانی طور پر مالا مال کیا ہے۔

پولُس نوعمر کلیسیاؤں پر زور دیتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مدد کریں اور اس کام میں حصہ لینے کے لیے وہ یروشلیم کا سفر اختیار کرتا ہے اور اس نذرانے کو شخصی طور پر ان کے حوالے کر دیتا ہے۔ کیا خود اُس کا جانا ضروری تھا؟ کیا یہ غیر ضروری خطرہ مول لینے والی بات نہ تھی؟ نتیجے پر غور کرتے ہوئے ایسا خیال کرنے کی آزمائش ہوسکتی ہے۔ اس سفر کے دوران میں اُسے قیدی بنا لیا گیا۔ اگرچہ اُسے یہودی دشمنوں کے حوالے نہ کیا گیا لیکن قیصریہ میں اُسے کئی سال تک قید میں رہنا پڑا۔ آخر کار بحیثیت قیدی کے اُسے رومہ میں لایا گیا۔ یہاں پھر وہ اپنے آقا کے نام کی گواہی دیتا ہے اور بالکل جنبش نہیں کھاتا کیونکہ آقا کے پاس طاقت ہے کہ اُسے برقرار رکھے۔ کلیسیاؤں کی دُعائیں جن کے لیے وہ منت کرتا ہے رائیگاں نہ گئیں (۱۵ : ۳۰)۔ پریشانی کے ان سالوں میں بھی اس کی خدمت جاری رہی۔

سفر کا پروگرام اس خط کے دوسرے حصے کا موزوں اختتام ہے۔ یہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے کہ "اپنے بدن ایسی قربانی ہونے کے لیے نذر کرو جو زندہ اور پاک اور خدا کو پسندیدہ ہو" (۱۲ : ۱)۔ پولُس ان الفاظ پر بدل و جان عمل کرتا ہے۔ پولُس رسول نے مکمل طور پر اپنے تئیں خداوند خدا کو دے دیا۔ جو کچھ انجیل کی بشارت کے لیے ہے اور جو کچھ خداوند کے جلال کے لیے ہے پولُس اس

سے ہرگز نہیں ڈرتا تھا۔ اس کا بوجھ اس قسم کا ہے کہ یروشلیم میں جو کام اس کو درپیش ہے اس کے بعد سپین کا ابتدائی کام آرام دہ معلوم ہوتا ہے۔

سلام اور آخری نصیحت ۱۶: ۱-۲۷

سولہواں باب تمام کا تمام سلام وتسلیمات کے بارے میں ہے۔ رومیوں کا خط پولُس کے تمام خطوط سے عام ہے شخصی انداز میں ختم ہوتا ہے۔ جُدائی کا دراز عرصہ جو رُوحی دوستوں کی ملاقات میں ابھی تک حائل ہے وہ اُس کی خواہشات اور دل کو دوستوں کی محبّت میں بھڑکا دیتا ہے۔ رسُول ہر ایک کا نام بنام ذکر کرتا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز ثبوت ہے کہ مسیح کی محبّت انسان کی فطری محبّت کو مضبوط کر دیتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی تقدیس بھی کرتی ہے۔

پہلے فیبےؔ کے نام کا ذکر آتا ہے جو "کلیسیا کی خادمہ" ہے یا ڈیکنس ہے۔ یہ اصطلاح شاید عورت کے عہدے کی طرف اشارہ کرتی ہے، (مثلاً تیمار داری وغیرہ) لیکن ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ فیبےؔ کی کنخریہ (جو کہ کرنتھس کے قریب ایک قصبہ ہے) میں خدمت اُسے رومہ کی کلیسیا کی مدد کا مستحق بنا دیتی ہے۔ ممکن ہے کہ وُہی پولُس کا خط رُومہ لے گئی ہو!

پرسکہ اور اکولہ کو ہم اعمال کے ۱۸ باب سے جانتے ہیں، شہنشاہ کلودیُس کے فرمان کے مطابق اُنہیں رُومہ سے بدر کیا گیا تھا۔ یہودیوں

کی دولت اور الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے انہیں ان ایام میں بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پولُس اس جوڑے سے کرنتھس میں ملا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسیح کو قبول کر لیا تھا۔ وہاں سے وہ اس کے ساتھ افسسؔ کو چلے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد ازاں جب پابندی ختم ہوگئی تو وہ رُومہ کو واپس لوٹ آئے۔ شاید وہ دُنیاوی مال ومتاع میں پہلے کی طرح خوشحال نہ تھے لیکن خداوند میں دولت مند اور کلیسیا کے لئے مدد کا باعث تھے۔

بہت سے دوسرے جن کا نام دیا گیا ہے، ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ لیکن یہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگ پولُس کے کام میں اس کی خُفیہ اور براہِ راست بھی مدد کر رہے تھے، اور ہمیں پتہ ہے کہ وُہ اُن سے کتنا پیار کرتا ہے جو مسیحی خدمت میں پیوست ہو چُکے ہیں، اُن کی رفاقت واقعی حقیقی ہے۔ کیا آج کل مسیحی کارندوں میں سرد مہری اس بات کا بیّن ثبوت نہیں کہ وُہ خُداوند میں رفاقت نہیں رکھتے؟

کئی ایک اشخاص کے متعلق پولُس بتاتا ہے کہ ان کا مسیح کے ساتھ کیا خاص رشتہ ہے اپینیتُس مسیح میں آسیہ کا پہلا پھل تھا۔ اندرنیکس اور یونیاس پولُس سے پہلے خُداوند میں شامل ہو چُکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ پولُس کے لیے مسیح زندگی ہے۔ وہ اس کے خیالات کی دُنیا میں بستا ہے۔ مسیح اس کے لیے کوئی معاون یا اضافی چیز نہیں بلکہ وُہ

پولُس کی زندگی کا رُوح رواں ہے۔

اندرُنیکُس اور یُونیاس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "وُہ رسولوں میں نامور ہیں"۔ اگر اسے تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ پولُس کی طرح وُہ بھی مبلغ تھے اور بحیثیت مبلغ ہونے کے اِدھر اُدھر گھوما کرتے تھے شاید رُومہ میں کلیسیا قائم کرنے میں اُن کا بھی ہاتھ ہو۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وُہ پیشہ کے طور پر مبلغ تھے اور مسیح کی خاطر دُوسرے مسیحیوں کے دوش بدوش کام کر رہے تھے۔ گو ہر ایک آدمی اپنے بلاوے کے مطابق کام کر رہا تھا لیکن مقصد سب کا ایک ہی تھا۔

پولُس کے زمانے میں ایک شخص بنام نرکِسّس تھا۔ رُومہ میں وہ آزاد تھا اور شہنشاہ کلاڈیُس کا چہیتا تھا (آیت ۱۱)۔ گمان غالب ہے کہ اُس کے گھرانے کے کچھ غلاموں میں سے بعض نے مسیح کو قبول کر لیا تھا۔

ترُوفینہ اور ترُوفوسہ (۱۶: ۱۲) کا مطلب ہے "تن پروری"۔ ان عورتوں کے متعلق پولُس کہتا ہے کہ "وہ خُداوند میں محنت کرتی ہیں"۔ مسیح میں وہ نیا جنم لے چکی تھیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ پولُس ایسا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ دونوں خود غرضی اور بے ثبات عیش و عشرت سے بچ چکی تھیں۔

ممکن ہے کہ رُوفس (۱۶: ۱۳) شمعون کرینی کا بیٹا ہو (دیکھیں مرقس ۱۵: ۲۱)۔

مسیحی کلیسیاؤں میں "پاک بوسہ" بطور تپاک سلام کی ایک رسم تھی (۱۶: ۱۶)۔ رسُولوں کے بعد کے زمانے کی خط و کتابت میں کچھ رسومات بتائی گئی ہیں۔ اس پاک بوسہ کا مقصد تھا کہ مسیح کے ساتھ باہمی وفاداری

کو مضبُوط کیا جائے۔

ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اس خط کو ختم کرنے سے پہلے پولُس اپنے کلرک ترتیُس سے قلم لے لیتا ہے (۱۶: ۲۲)، اور اپنے ہاتھ سے چند آیات بطور شخصی التماس کے لکھتا ہے (۱۶: ۱۷-۲۰)۔ پولُس کو خوب علم ہے کہ بسا اوقات نوعُمر کلیسیائیں چالاک آدمیوں کے پھندے میں پھنس کر کیسے گمراہ ہو جاتی ہیں۔ پولُس کا نصب العین تو یہ ہے کہ جو خوشخبری ایک دفعہ مل چُکی ہے اُس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ مسیح نے ہماری خاطر کیا ہے یہ اُس کی سرگذشت ہے۔ لہذا نہ اُس میں کچھ کمی و بیشی ہو سکتی ہے اور نہ کسی طرح کی اصلاح۔ خوشخبری انسانی خیالات یا تصوّرات کی مانند نہیں جن کو اہل سُخن، مُفکر اور فلاسفر بتدریج دُرست کرتے رہتے ہیں یا مُصفّی کرتے جاتے ہیں۔ ہم اکثر سُنتے ہیں کہ زمانہ حاضرہ کے مطابق "خوشخبری" کی تشریح کی ضرورت ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمیں نئے جوش اور سرگرمی کی ضرورت ہے تو یہ دُرست ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ مُدعا لیا جائے کہ اسے ایسے تبدیل کیا جائے تاکہ آج کل کے زمانہ کے لوگ اُسے قبُول کر لیں تو یہ سراسر غلط ہے۔ اگر کوئی ایسی خوشخبری دی جائے تو انجیل مُقدّس کی خوشخبری سے مختلف ہو تو یہ خوشخبری پیش کرنا نہ ہو گا بلکہ انسانی تصورات پیش کرنا ہے۔

خط کی ابتدا میں تیتھیس کا ذکر نہیں آتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پولس صرف خود کو ہی خط کا مصنف ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ اراستس شہر کا خزانچی ہے۔ یہ کرنتھس کی کلیسیا میں ان چند ہستیوں میں سے ہے جو اعلیٰ منصب پہ فائز تھیں۔ ترتیس کاتب ہے۔

پولس پھر ایک دفعہ اپنے قارئین کو خداوند کے سپرد کرتا ہے۔ کیونکہ اسی میں اتنا زور آور ہے کہ بچا سکے۔ خدا نے ہماری نجات کی تدبیر کر رکھی ہے اور اس کا پہلے سے پتہ دے دیا ہے بلکہ اس کی تکمیل بھی کر دی ہے۔ صرف اسی کی حمد و ثنا ہو۔ آمین

ختم شد